الم یأن للذین اٰمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ

کیا ایمان والوں کے لیے اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ کے ذکر قرآن کی طرف جھک پڑیں

ترجمان القرآن

مرتبہ فقیر
مصلح
ابو محمد کان اللہ لہ
حیدرآباد دکن

فی پرچہ ۸ آنے

سالانہ پانچ روپے

جلد (۱) ترجمان القرآن ذیحجہ ۱۳۵۱ھ نمبر (۶)

خـــالی صفحـــہ

عالمگیر تحریک قرآن

دنیائے قرآن

سیرت کمیٹی کی عالمگیر تحریک قرآن میں شرکت

ناظرین ترجمان القرآن یہ سنکر خوش ہوں گے کہ مشہور سیرت کمیٹی نے عالمگیر تحریک قرآن کو اپنے پروگرام میں شریک فرما لیا ہے اور اب یوم النبی کی طرح ماہ رمضان المبارک میں "قرآن والی رات" کی یادگار بھی منائی جائے گی اگرچہ یہ کام خموشی کے ساتھ کئی برس سے دفتر عالمگیر تحریک قرآن کی طرف سے بھی کیا جا رہا ہے لیکن مولنا عبد المجید قرشی جو تحریک یوم النبی کے بانی اور روح رواں ہیں ان کی توجہ سے عالم اسلام کے اندر یہ کام انجام پائیگا۔

ماہ رمضان المبارک کے ترجمان القرآن میں قرآنی مکتوبات کے تحت جو ہماری خط وکتابت مذکورۃ الصدر بھائی سے ہوئی تھی الحمد للہ وہ بہت جلد مقبول بارگاہ ایزدی ہوئی

مولنا عبد المجید قرشی نے "پیغام رمضان" نامی رسالہ میں دل کھول کر اس مسئلہ پر بحث کی ہے اور خوب کی ہے اس کی قیمت صرف ۲ ہے ہم سفارش کرتے ہیں کہ پٹی ضلع لاہور سے منگوا کر آپ ضرور اس کا مطالعہ کیجئے

صوبہ بہار کا مختصر دورہ

گذشتہ ماہ۔ سہسرام۔ آرہ۔ پھلواری شریف۔ پٹنہ۔ ڈہری۔ اور ڈالٹنگنج مختصر دورہ عمل میں آیا عالمگیر تحریک قرآن پر متعدد تقریریں ہوئیں۔ قرآن مجید کے درس قائم کرائے گئے مدارس میں بچوں کو شروع سے ہی قرآن مجید با معنی پڑھانے کی عملی شکلیں پیش کیگئیں۔ اگر ناظرین ترجمان القرآن اپنے اپنے مقام پر اسی طرح کا کام شروع کردیں اور نتائج سے مرکز کو اطلاع دیں تو ایک طرح کی بہت جلد تنظیم قائم ہو جائے اس سلسلہ میں ایک بات اور بھی کہنے کی ہے کہ ہر صوبہ کی با اثر ہستیاں باقاعدہ یہ جدوجہد شروع کردیں کہ محکمہ تعلیمات اس سلسلے کو اپنے ہاتھ میں لے لے

مسلمان بچوں کے لئے مذہبی تعلیم کے اندر قرآن مجید کی با معنے تعلیم کو شروع سے ہی لازم قرار دیا جائے آنریبل سر فضل حسین ملک فیروز خان نون۔ آنریبل سر سید محمد فخر الدین احمد بہار مسٹر خواجہ نظام الدین صاحب وزیر تعلیمات بنگال جیسی با اختیار ہستیوں کو خاص طور پر اس میں حصہ لینا چاہیئے مسلمانوں کے حقوق اس وقت تک خطرہ سے باہر نہیں ہو سکتے جب تک قرآن کا مسئلہ حل نہ ہو مسلمان اور قرآن کا مسئلہ اسلام کے نام لیواؤں کے واسطے جسم و جان کا مسئلہ ہے اور بغیر اس کے ان کی ہر ترقی تنزل کے مترادف ہے کیونکہ درحقیقت ان کی دینی اور دنیاوی ترقی قرآن کے علم و عمل پر منحصر ہے۔

جبہ پر قرآن مجید

لارڈ لوتھین کے ایما پر ان کے ایک دوست نے جو انگلستان میں ہیں علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کو ایک جبہ دیا ہے جس پر تمام قرآن مجید لکھا ہوا ہے۔ یہ جبہ غدر ۱۸۵۷ء کے دوران میں ہندوستان سے گیا تھا۔ اور اب مسلمانوں کے ساتھ دوستی کے طور پر ہندوستان کو واپس دیا گیا ہے اسی طرح کا ایک دوسرا جبہ مولوی عبدالحلیم صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی ساکن جہان آباد کے پاس بھی وراثتاً چلا آتا ہے۔ تیسرا جبہ گرونانک صاحب کا ہے جو ڈیرہ بابانانک میں اب تک محفوظ ہے لیکن اس پر آیات ہیں

ٹائمز آف انڈیا کے ایڈیٹر مع اہل و عیال حلقہ بگوش اسلام

ٹائمز آف انڈیا کے نیو ایڈیٹر مسٹر ایم بال ڈیر ان کی بیوی اور ان کا بیٹا بمبئی میں مشرف باسلام ہوئے مسٹر بال ڈیر کا اسلامی نام محمود حامد۔ بیوی کا نام ممتاز مریم اور لخت جگر کا نام عبدالکریم رکھا گیا۔ آپ نے ایک تقریر کے سلسلہ میں کہا۔

"میں بتدریج اس حقیقت سے آگاہ ہوا کہ اسلام ہی نے خدا کی ذات کے متعلق صحیح نقطہ خیال پیش کیا ہے اور وہ توحید خالص کا عقیدہ ہے میں عیسائیوں کے مسئلہ تثلیث کو کبھی سمجھ ہی نہیں سکا تھا اور اس سے ہمیشہ غیر مطمئن رہتا تھا اسلامی عقیدہ توحید سمجھنے کے بعد مجھے تشفی ہوئی اور میرا قلب مطمئن ہو گیا۔ پھر میں نے پورے جانکنی طور پر قرآن

اسلام کا مطالعہ جاری رکھا جس سے میرے دیگر شبہات خود بخود رفع ہوگئے۔

''اسلام کے جزو ثانی یعنی رسالت کا میں اس طرح قائل ہوا کہ جب میں نے تمام کتب آسمانی کا مطالعہ کیا تو مجھے معلوم ہوگیا کہ ان میں سوائے قرآن کے کوئی صحیفہ ایسا نہیں جو تحریف اور انسانی دست برد سے بچا ہو۔ قرآن حکیم کا مجھ پر ایسا اثر ہوا اور یقین ہوگیا کہ یہی تحریف سے پاک ہے اور ایک مقصد وحید کو پیش نظر رکھتا ہے۔

پیشوا کا قرآن نمبر

ہم مجلس تحریک قرآن مجید اور ناظرین ترجمان القرآن کی طرف سے پیشوا کے قرآن نمبر نکالنے پر اس کے مالک اور اڈیٹر کو دلی مبارکباد دیتے ہیں۔ یقیناً یہ پیش قدمی اس لائق ہے کہ ہر مسلم صحیفہ نگار کو اس کی پیروی کرنی چاہیے مناسب ہوگا۔ اگر ہر سال ماہ رمضان المبارک میں اسی طرح کا خاص نمبر شائع ہو جس سے مسلمان پھر قرآنی علم وعمل کی طرف متوجہ ہو جائیں

ایک نامور نصرانی پر کلام اللہ کا اثر

مصر کی بین الاقوام ریلوے کانفرنس میں جو نمائندے شریک ہوئے ان میں موسیو مانویل صدر وفد اسپین بھی تھے، ان کے اعزاز میں تیونس کے مشہور رہنمائے آزادی علامہ ثعالبی نے ایک شاندار پارٹی دی اور اسلامی طریقہ پر کلام اللہ شریف کی تلاوت سے بھی تواضع کی گئی۔ اثنائے قرآت میں موسیو موصوف جھوم رہے تھے۔ اگرچہ آپ عربی زبان سے واقف نہیں ہیں لیکن خدا کے آخری پیغام کا ناقابل بیان اثر آپ پر وجد کا عالم طاری کر رہا تھا۔ آپ نے کہا۔

''میں نے ایک سے زیادہ مرتبہ اسپینی زبان میں کلام اللہ کا مطالعہ کیا ہے لیکن آج میں نے محسوس کیا ہے کہ تلاوت قرآن کا اثر میری رگ رگ میں سرایت کر گیا ہے میں سمجھتا ہوں اس کا یہ سبب ہے کہ میں نے آج کلام اللہ کو عربی زبان میں موتیوں کی طرح منسلک دیکھا اور سنا ہے''

اس کے بعد موسیو موصوف نے علامہ سید رشید رضا سے درخواست کی کہ وہ تلاوت شدہ آیات کا اپنی زبان میں ترجمہ کریں تاکہ وہ اپنی زبان میں ان کے محل وقوع کو آسانی سے معلوم کر سکیں (حیف ہے ان مسلمانوں کی سمجھ پر جو قرآن مجید کی اصل زبان کو ترک کر کے صرف کسی زبان کے ترجمہ کو باقی رکھنا چاہتے ہیں۔ (ترجمان القرآن)

سابق وزیر پنجاب لالہ ہرکشن لعل کے فرزند مسٹر کنہیا لال بیرسٹر مع اپنی بی بی بچے کے مشرف باسلام ہوئے۔ اس سعید وقت میں لاہور کے مشہور اصحاب، ڈاکٹر سر اقبال، علامہ عبد اللہ یوسف علی۔ ملک فیروز خان نون وزیر تعلیمات نواب سر شاہنواز۔ چودھری ظفر اللہ خاں، مولوی محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار کے علاوہ اور حضرات بھی موجود تھے۔

مسلمانان عالم کے اس معزز بھائی کا اسلامی نام خالد الطیف اور لڑکے کا نام خالد عبدالرشید قرار پایا۔ مسٹر خالد لطیف اپنے عقائد کے متعلق فرماتے ہیں۔

> مجھے فرقہ بازی سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ اسلام ان اصول ہائے حیات و ممات کی کامل و مکمل تعلیم کا نام ہے جو قرآن پاک میں رب جلیل نے اپنے بندوں کو دی۔ قرآن پاک چونکہ غیر مبدل ہے اس لئے مسٹر گاندھی بھی غیر مبدل مسلمان ہیں۔

قرآن کریم کا چینی ترجمہ چین کے رسالہ فرنڈس آف معلمز میں ایک مضمون شایع ہوا ہے جس کے اندر چینی زبان میں قرآن مجید کے ترجمہ کے متعلق کچھ اطلاعات ہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ چین میں اسلام کو داخل ہوئے بارہ صدی کا طویل عرصہ گذر گیا مگر وہاں سے مستند اور مکمل ترجمہ اب تک کوئی شایع نہیں ہوا اور اخیر تک جو ترجمہ شائع ہو سکا ہے اگرچہ وہ مکمل ہے لیکن مستند نہیں ضرورت ہے کہ اسلام کی ایک جماعت مسلمانان عالم سے امداد حاصل کر کے تبلیغی اصول پر قرآن مجید کے ——— ہر زبان میں کثرت

کیا یہ پھیلانے کے لئے آمادہ ہو جائے مسلمان حکمرانوں کو بھی خاص طور پر توجہ کرنی چاہئے۔

قرآن مجید کا ظاہری ادب بھی ضروری ہے

عرس کے موقع پر اور زیارت جس کو سوئم یا تیجا او پھول اٹھانا بھی کہتے ہیں مسلمان قرآن خوانی کی مجلس منعقد کرتے ہیں اس میں بعض جگہ ایسے واقعات دیکھنے میں آئے جس سے روحانی تکلیف ہوئی ایک جگہ تو یہ دیکھنے میں آیا کہ جو پارے پڑھ لئے جاتے تھے اس کو علیحدہ سے میز کے نیچے رکھد یتے تھے اس مجلس میں صاحب خانہ جو خود مذہبی اور ظاہری وقعت کے لحاظ سے معزز مانے جاتے ہیں ان کو آتے دیکھکر ایک صاحب جو تلاوت میں مشغول تھے کلام شریف ہاتھ میں لئے ہوے ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے ایک دوسری مجلس میں اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ سانحہ گذرا ایک نواب صاحب تلاوت فرما رہے تھے کہ ان کے مرشد کے صاحبزادے تشریف فرما ہوے نواب صاحب قرآن مجید کو لئے ہوے ان کے قدموں کو چومنے کے لئے زمین پر گر پڑے۔

ہم اس موقع پر فی الحال صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ یہ باتیں صریحاً قرآن مجید کی عظمت کے خلاف ہیں۔ اور ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن سے بڑھکر اس آسمان کے نیچے کوئی دوسری چیز عزت وحرمت کے لائق نہیں اس کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ جس طرح قرآن مجید کا باطنی ادب ہے اسی طرح ظاہری ادب بھی ضروری ہے۔ قرآں جہاں پڑھا جاتا ہو وہاں ادب ظاہری کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے۔

قرآن مجید سے آخری پارہ انگریزی میں

ڈاکٹر خالد شیلڈرک صاحب نے خانگی ملاقاتوں اور پبلک تقریروں میں اس ضرورت کا کئی مرتبہ اظہار فرمایا کہ یورپ میں نومسلموں کے ایسے غریب لڑکے بھی ہیں جو کئی سبب سے اس بات کے مستحق ہیں کہ کم سے کم مذہبی کتابوں سے ہی ان کی مدد کیجائے۔ اس کا احساس فرماتے ہوے دفتر عالمگیر تحریک قرآن نے " دی ماسٹ پارٹ آف دی ہولی قرآن "

کے نام سے پارۂ عمہ انگریزی میں قریب قریب اسی طریقہ پر شایع کرایا ہے جس کی کئی بچوں کی تفسیر شایع ہو چکی ہے۔ بچوں کو اس کے پڑھانے سے انگریزی اور عربی دونوں زبانیں آجاتی ہیں۔ انشاء اللہ ڈاکٹر صاحب موصوف کو کئی سو جلدیں مفت اس غرض سے دی جائیں گی کہ وہ یورپ میں مستحقین کو تقسیم فرمائیں تاہم کئی سو فاضل جلدیں بھی دفتر میں بچ رہیں گی ضرورت ہے کہ آپ بھی اپنے بچوں کو اس کے ذریعہ سے تعلیم دلائیں۔ مع جلد ہدیہ ایک روپیہ پتہ دفتر تحریک قرآن حیدرآباد دکن

بیرن عمر کی تقریر جرمنی اور قرآن

مجلس تحریک قرآن مجید ممالک محروسہ سرکار عالی کے اہتمام سے جناب نواب مرزا یار جنگ بہادر چیف جسٹس ہائی کورٹ کی صدارت میں بمقام سیف گلشن دولتکدہ نواب سیف نواز جنگ بہادر ایک کامیاب جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں خصوصیت کے ساتھ انگریزی دان طبقہ اور عثمانیہ یونیورسٹی کے طلبہ شریک تھے۔ مجموعہ کی شکل میں یہ تقریر بزبان انگریزی بہت جلد شایع ہوگی۔

ڈاکٹر ضیاء الدین احمد نے اپنے پونا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے کہا۔

"مذہبی تعلیم کے سلسلہ میں اس پر زور دینا چاہتا ہوں کہ سب سے بہتر دینیات کی تعلیم کلام پاک کی تعلیم ہے، وہ کلام پاک با ترجمہ پڑھایا جائے کلام مجید کی تعلیم مسلمانوں کے ہر ملت کے بچوں کو مشترکہ دیجا سکتی ہے"

ڈاکٹر رام داس خاں ایم اے۔ پی ایچ ڈی۔ سابق پرنسپل ناتن دھرم کالج جنھوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا ہے اور جن کا اسلامی نام محمد رشید الدین خاں ہے فرمایا اسلام سے پیشتر دنیا پر ہولناک تاریکی چھائی ہوئی تھی جس کو حضرت محمد صلعم نے خدا کبر تر کی وحدانیت سے منور کیا اور خدا کی الہامی کتاب قرآن نے عوام کو صراط مستقیم کا راستہ بتایا" آج تک جتنی بھی الہامی کتابیں پائی جاتی ہیں ان سب میں بہت سی خامیاں پائی جاتی ہیں۔ لیکن قرآن پاک ہی ایک ایسی کتاب ہے جو مذہب سیاست، تمدن، حق شرع،

مناجاتِ قرآنی

مولوی احمد منیر الدین صاحب منیرؔ قاضی پربھنی

المدد اے کریم ربِّ جلیل　　شبِ تاریک میں ہے کوس رحیل
لنگ مرکب ہے چشم ہے شبِ کور　　طول ہے راہ اور زاد قلیل
رہبرِ راہ سب ہیں سرگرداں　　سر بسجدہ ہیں واقفانِ سبیل
راہ نما کوئی جز کتاب نہیں　　اور اس پر بھی آہ اقال و قیل
ہے وجود کتاب یہی گویا　　حرز بر لب فقط بلا ترتیل
اس شبِ تار میں خدا کی پناہ　　فوج انجم کی بھی نہیں تشکیل
جس سے کچھ راہ کی خبر ہوتی　　راہ پاتی ہماری طرح دلیل
کاش نقشِ قدم نظر آتے　　آگے بڑھنے کی ہوتی کوئی سبیل

ہم پہ مکشوف کر کتابِ منیرؔ
ہے تو ہی واہب عطائے جبرئیل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انقلابات پر ایک نظر

نہ تو عالمگیر تحریک قرآن کوئی رسمی ادارہ اور تحریک ہے نہ ترجمان القرآن کا اجراء نام و نمود یا طلب منفعت کے لئے عمل میں آیا ہے اور نہ ہی مدیر ترجمان القرآن کے مقالات مضمون نگار بننے اور خالی صفحات کی خانہ پری کرنے کے لئے ہیں اس لئے بجا طور پر استحقاق حاصل ہے کہ ہر کوشش کے نتائج تلاش کئے جائیں اور پھر ایک مومن کی فراست سے کام لیا جائے۔

نفس مقصد پر پھر بحث ہوگی اس سے پہلے چند لفظوں میں "ترجمان القرآن" کے اجراء کی غرض کو ناظرین کرام ایک مرتبہ اور سن لیں اور اس کے بعد اپنے دل و دماغ اور قلب و جگر کے ہر گوشہ کا جائزہ لیں اور معلوم کریں کہ ہوا کا رخ کدھر ہے اور معاملہ کی رفتار کہاں تک پہنچی ہے۔ اس مختصر سے رسالہ کی خریداری اور مطالعہ نے کوئی خاص فائدہ پہنچایا یا نہیں۔ کوئی خاص امتیازی شان پیدا کی یا نہیں۔ کوئی خاص منزل متعین کی یا نہیں اور کسی خاص شاہ راہ پر لیکر چل پڑا یا نہیں۔ اگر ایسا ہے تو مسرت کی بات ہے۔ ہماری زندگی کا مقصد حاصل ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ اس ایک ناچیز بندے کی خدمات قبول فرمالیں اور اب کہا جاسکتا ہے کہ دنیا کے اندر وہ گروہ پیدا ہوگیا جس کی ضرورت تھی اور جس کی ایک عرصہ دراز سے عالم اسلام میں کیا روئے زمین پر کمی تھی قرآنی علم و عمل کے عام کرنے والے پیدا ہوگئے حکومت الٰہی کے خواستگار پیدا ہوگئے عبدیت الٰہی کا جھنڈا بلند کرنے والے پیدا ہوگئے اور محبت الٰہی کا نغمہ سنانے والا

مستِ الست گروہ پیدا ہو گیا اور نوع انسان کے لئے ایک مرتبہ پھر دنیا رہنے کے لائق بن گئی۔

اور اگر خدانخواستہ ایسا نہیں ہے اور جیسا کہ میری بدگمانیاں مجھے اسی کے سمجھنے پر مجبور کر رہی ہیں۔ تو وائے برحالِ ما۔ یہ تیر بھی خالی گیا۔ آخری تدبیر بھی کارگر نہ ہوی اور آخری صدا بھی فضا میں منتشر ہو کر رہ گئی۔

اور اگر واقعی ایسا ہی ہے تو مجھے اجازت ملنی چاہیئے۔ کہ میں ایک مرتبہ آپ سے دریافت کروں فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ۔ کیا ترجمان القرآن کے پچھلے پانچ نمبروں کے شایع کرنے کی تمنا کا یوں خون ہونا تھا۔ اور کیا ہماری نہیں دنیا کی آرزؤں کو یوں پامال ہونا تھا۔ اور کیا مقصدِ عزیز کے حاصل کرنے کے لئے پھر سے جدوجہد شروع کرنی پڑے گی۔

ناظرین کرام میں آپ سے یہ سننا نہیں چاہتا کہ آپ مسلمان ہیں، نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، حج کر چکے ہیں، زکاۃ دیتے ہیں، آپ کے چہرہ پر ڈاڑھیاں ہیں یا آپ کلمۂ توحید کے قائل ہیں۔ آپ کے رسول سب سے بڑے رسول ہیں۔ آپ کا مذہب دنیا کے سارے مذاہب سے بہتر ہے قرآن اعلیٰ درجہ کی بے مثل کتاب ہے اور آپ ہر روز اس کی تلاوت فرماتے ہیں۔

مجھے معاف فرمائیے میں یہ بھی نہیں سننا چاہتا کہ آپ کسی مدرسہ کے مہتمم ہیں یا کسی انجمن کے کارکن اور صدر و سکرٹری ہیں کسی اخبار و رسالہ کے ایڈیٹر ہیں اور قوم قوم، مسلمان مسلمان، ترقی ترقی، اسلام اسلام کی صدا بلند کرتے کرتے آپ کا گلا پڑ پڑ گیا ہے۔

آخر میں مجھے اس بات کے کہنے کی بھی اجازت دیجئے کہ میں آپ کے پانچ روپیہ سالانہ چندہ کی بھی پرواہ نہیں کرتا، اور نہ ترجمان القرآن کے مقاصد عالیہ

اور اس کے مخصوص رنگ کے مضامین کی تعریف و توصیف کے سننے کا خواستگار ہوں میں سچ کہتا ہوں کہ آپ کی طرف سے اس سلسلہ میں خواہ کوئی سی چیز بھی پیش کیجائے میرے محزون دل کو مسرت نہیں بخش سکتی۔ کیونکہ میں تو آپ کو آپ سے اور آپ کی ساری دنیا سے باغی بنانا چاہتا ہوں انسانی خواہشات انسانی مرضیات، انسانی قوانین اور انسانی حکومتوں سے بغاوت کرانا چاہتا ہوں، میں تو ہمہ قرآن بنکر قرآنی قوانین کے نفاذ حکومتِ الٰہی کے قیام اور محبت الٰہی کا دور دورہ کرانا چاہتا ہوں اور اگر یہ جذبہ اور یہ خیال پیدا نہیں ہوا تو بتلایے کہ یہ سب کچھ بیکار ہے یا نہیں بھول بھلیاں ہے یا نہیں جو نوعِ انسانی کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً عرصہ دراز ہوا کہ قرآنی دنیا سے پرے پھینک چکا ہے، "عالمگیر تحریک قرآن"۔ کے سلسلہ میں ترجمان القرآن جاری کیا گیا اور آج اس کا چھٹا نمبر شائع کیا جا رہا ہے۔ پچھلے نمبروں میں خصوصیت کے ساتھ اداریہ میں "انقلابات" کے تحت مضامین لکھے گئے جس کے اندر نہ اعلیٰ درجہ کی فصاحت و بلاغت کا خیال کیا گیا، اور نہ کسی تحقیقی مواد سے بھرے ہوئے مضامین کا۔ مگر یہ ضرور کیا گیا کہ نفس مقصد کا اظہار ہو جائے اور اگر آپ نے اس کا مطالعہ فرمایا ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ اس معاملہ میں آپ پوری طرح ہمارے ہمنوا ہوں گے اور پر زور تائید فرمائیں گے۔

مطلب کی وضاحت ہو چکی مطلع صاف ہو چکا۔ ابر چھٹ چکے پھر آفتاب قرآن کے طلوع ہونے میں کیوں دیر ہو۔ کھوٹے سکے کب تک چلتے رہیں گے، غلط قوانین کب تک نفاذ پذیر رہیں گے۔ شیطانی حکومتیں کب تک قائم رہیں گی۔ نوعِ انسانی غیر اللہ کی کب تک عبودیت کا پھندا اپنے گلے میں ڈالے رہے گی اور اشرف المخلوقات اپنے سے ادنیٰ تر مخلوق سے کب تک محبت کرتی رہے گی۔

میری خواہش ہے کہ ایک مرتبہ پھر ان انقلابات پر ایک نظر ڈالیے
اور دیکھیے کہ اس کے اندر کیا کہا گیا اور آپ سے کس چیز کا مطالبہ ہے اور پھر
اس کے بعد مجھے جواب دیجئے کہ میں آپ کی طرف سے کس نتیجہ تک پہنچوں۔ اور کیا
آپ اس قافلہ کے شریک ہو کر شاہد مقصود کے لئے والہانہ سر کف آگے بڑھنے
کے لئے آمادہ و مہیا رہیں یا نہیں۔

میں نے ان مقالات میں کاغذ پر اپنا دل نکال کر رکھ دیا ہے اور
آپ سے اس بات کا آرزومند ہوں کہ اعتنا فرمائیے اور مجھے مطلع فرمائیے کہ
آپ میرا ساتھ دینے کیلئے مستعد ہیں؟ میری انفرادی آواز کو اجتماعی حیثیت
بخش کر ایک مرتبہ پھر قرآنی انقلاب کی صدا بلند کرتے ہیں؟ ؟ اور قرون اولیٰ
کے برکتوں اور مبارک دور کے خواستگار رہیں۔؟؟؟ وباللہ التوفیق۔

طبعے بہم رساں کہ بسازی بعالمے
یا ہمتے کہ از سر عالم تو آں گذشت

الفرقان کا یہ نمبر اور یہ مقالہ ناظرین کرام کی عالمگیر تحریک قرآن
ترجمان القرآن کے مقاصد عالیہ میں ——— علمی شرکت کے لئے ہے۔
اور میں انتظار کروں گا کہ درحقیقت کن کن ہستیوں کو خدائے بزرگ و برتر نے
عزم الامور میں حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ غلط روی اور باتیں
بہت ہو چکیں اب ایک جماعت کی ضرورت ہے جس کا وظیفۂ حیات قرآن
اور اس کے ذریعہ سے روئے زمین پر حکومتِ الٰہی کا قیام ہو

ان الحکم الا للہ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک
ھم الظالمون۔

ابو محمد مصلح

مذاکرۂ علمیہ

مسٹر محمد مارماڈیوک پکتھال کی طرف سے مولانا ذوقی شاہ صاحب کے خط کا جواب

سول سروس ہوس

حیدرآباد دکن

۲۷ رمضان ۱۳۵۱ھ

جناب من۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میری چند تفہیمات قرآنی پر آپ نے اپنے اعتراضات کی جانب میری توجہ کو جس پر لطف انداز سے متحرک فرمایا ہے اس کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جن خیالات کا آپ نے اظہار فرمایا ہے اُن سے میں نا آشنا نہیں یہی اعتراضات پہلے بھی مسلمان بھائیوں کی جانب سے مجھ پر وارد ہو چکے ہیں اگرچہ ان کا لہجہ اس درجہ نرم نہ تھا۔

مجھے آپ سے اتفاق ہے کہ ہدایت نبوی کے بغیر

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا

کی حالت پیدا نہیں ہو سکتی۔ مگر اس حالت کا پیدا ہونا ان دوسری اقوام کے لئے بھی ممکن ہونا چاہئے جن تک اس نوع کی ہدایت پہنچ چکی ہے (مثلاً یہود و نصاریٰ، گو ان کی آسمانی تحریف شدہ ہوں تاہم صداقت کی جھلک ان میں سے پائی جا سکتی ہے۔ جو رہنمائی کے لئے کافی ہے اور میں تحقیق کرتا ہوں کہ ان میں سے بہت لوگ اس حالت مطلوبہ تک پہنچے ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں انبیأ اور بالخصوص ہمارے نبی آخر الزمان کے خیالات دنیا کے غور و خوض کرنے والوں میں اس وسعت کے ساتھ پھیل گئے ہیں اور ان خیالات نے

اپنا اثر اس شدت سے عام طور پر ڈالا ہے کہ ان لوگوں کے بھی خیالات بکثرت الٰہی سانچوں میں ڈھل گئے ہیں جو لوگ کہ ان انبیاء کی امتوں سے خارج ہیں جن کا ہمیں علم ہے۔ چنانچہ اثراتِ انبیاء کی حد بندی دشوار ہے۔ برعکس اس کے ہمکو افسوس کے ساتھ اس کا بھی مشاہدہ کرنا پڑتا ہے کہ جن لوگوں کا آج کل مسلمانوں میں شمار ہوتا ہے ان میں بہت کثرت سے ایسے لوگ موجود ہیں جن کی روحانی دماغی اور اخلاقی حالت نہایت مبتذل ہے۔ یہ لوگ قولاً اللہ و آخرت پر ایمان لانے کا اعتراف کرتے ہیں مگر عملاً اپنی روزمرہ کی زندگی میں خودغرض، عیاش، خوشامدی، کذّاب بزدل، غیبت کنندہ، ظالم، شرابی، چور، زانی، اور بوجہ اپنی جہالت کے قریب بہ شرک تک ہوتے ہیں۔ آپ ایسے لوگوں کی بابت ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا

کی حالت ان پر صادق آتی ہے۔ آپ ہرگز یقین نہیں کرسکتے کہ جو فرقہ اسلام کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس کی محض خدمت لسانی پر کسی نجات کا انحصار ہوسکتا ہے یہ تو وہی غلطی ہوگی جس میں یہود و نصاریٰ مبتلا تھے۔ اور جس کی مذمت قرآن میں آئی ہے۔

میرا یہ خیال کوئی نیا خیال نہیں۔ نہ میں اس خیال کا موجد ہوں۔ بلکہ اسلام کے اعلیٰ روحانی طبقوں میں یہ خیال ہمیشہ سے عام رہا ہے جس کا علم آپ کو بھی ہوگا کیونکہ آپ نے تصوف کا مطالعہ کیا ہے۔

اس نجاتِ ابدی کے معاملہ میں اگر ہم بحیثیت ایک جماعتِ انسانی کے اللہ تعالیٰ کی عنایات کے لئے مختص ہیں۔ تو پھر اللہ ہمکو ہمارے گناہوں پر سزا کیوں دیتا ہے بلکہ وہ ہمیں گناہ کرنے ہی کیوں دیتا ہے؟ نہیں ایسا نہیں ہے۔ ہماری موجودہ پستی و ذلت سزا ہے اس لایعنی شیخی کی جو اسی نظریہ سے پیدا ہوئی ہے۔

جس کی آپ تائید کرتے ہیں (بشرطیکہ میں نے آپ کا مطلب صحیح طور پر سمجھا ہو
آپ نے چند آیات پیش کی ہیں جو آپ کے نزدیک ناسخ ہیں میری پیش کردہ آیات کی۔ میں جانتا ہوں کہ جن ممالک میں عربی نہیں بولی جاتی ان میں اکثر اور جن ممالک میں عربی بولی جاتی ہے ان میں کمتر یہ خیال پھیلا ہوا ہے تاہم مجھے یقین ہے کہ یہ خیال غلط ہے۔

جس زمانہ میں کہ سالہا سال تک قرآن مجید کے مطالب انگریزی مطالعہ کنندگان تک پہنچانے میں مصروف رہا مجھے اپنے فرض کی انجام دہی کی غرض سے اس تحقیقات کی کوشش کرنی پڑی تھی کہ وہ کلمات (جو قرآن میں بکثرت وارد ہونے کی وجہ سے اب مذہبی اصطلاحات بن گئے ہیں) جب پہلی مرتبہ نازل ہوئے تو اہل مکہ اور اہل مدینہ نے ان سے کیا سمجھا۔ دوران تحقیقات میں میں نے یورپ کے مستشرقین سے بھی مشورے لئے اور عرب و مصر کے علماء سے بھی۔ صرف مستشرقین ہی نے (بوجہ اسلام سے نفرت رکھنے کے) مجھے یہ مشورہ دیا کہ اسلام کا ترجمہ ہر جگہ "اسلام" ہی کرنا چاہیئے۔ مگر عربوں کا کہنا یہ تھا کہ یہ ترجمہ صرف ایک ہی موقعہ پر کیا جانا چاہیئے، صرف ایک ہی آیت (المائدہ آیتہ ۳) ایسی ہے جس میں یہ لفظ (یعنی اسلام) ہمارے دین کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور ترتیب نزول میں وہ سب سے آخری آیت ہے۔ دیگر جملہ مقامات اس کے معنی "اپنے کو حوالہ کر دینا" ہیں (جسمیں مزید جنگی پہلوان کے لئے ہے جو مسلمانوں سے برسر جنگ تھے) مگر عام طور پر اور ہر موقع کے لئے صرف یہی معنی ہیں کہ انسان اپنے ارادوں اور اپنی مشیت کو خدائے قادر مطلق کے ارادوں اور مشیت کے حوالہ کر دے لہذا

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۔ الآیۃ

کے یہ معنی ہو سکے :۔ دیکھو! مذہب اللہ کے نزدیک حوالہ ہو جانا ہے۔ (اس کی مشیت و ارادہ کے)" وغیرہ یعنی کہ سچا مذہب مشتمل ہے نہ صرف پابندیوں اور

وردا ور اد اور طرفدارانہ جوش پیدا ہی قسم کا برائے نام مذہب تو مشرکین عرب اور عرب کے بعض یہود و نصاریٰ کا تھا۔ یہ سب کچھ اللہ کی نگاہ میں مذہب نہیں بلکہ (سچا مذہب مشتمل ہے) بخوشی پوری طرح اللہ کے ارادہ کے تابع ہو جانے پر جو (ارادہ) کہ لوگوں کے ضمیروں میں ظاہر ہو یا وقتاً فوقتاً اس کے پیغمبروں نے ظاہر کیا ہو۔ لہٰذا۔

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۔ کے یہ معنی ہوئے کہ:

اور جو کوئی ڈھونڈے ایسا مذہب جو حوالگی (بہ خدا) کے غیر ہو تو وہ اس سے نہ قبول کیا جاوے گا۔ اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والا ہوگا۔

مذہب کا نتیجہ ہونا چاہئے قلبی تغیر اور ذاتی اطاعت اور دلی تابعداری۔ ایسا شخص مذہبی نہیں کہلا سکتا جو ان چند مراسم ظاہری کی پابندی تو کرتا ہے جنہیں غلطی سے مذہب سمجھا جاتا ہے مگر خواہشات نفس کو پورا کرنے میں کذب، خود غرضی، حرص، بے رحمی اور دوسروں کے حق میں ناانصافی کو جاری رکھتا ہے۔ صحیح طور پر مذہبی بننے کے لئے انسان کو دل سے تابعدار بننا ضروری ہے۔ ہم مسلمانوں کے لئے اپنا ارادہ اور اپنی مشیت کو اللہ کے ارادہ و مشیت کے ماتحت کر دینا ہی پورا مذہب ہے جس کی صرف نشان دہی اور حفاظت کے لئے چند ظاہری احکام اور پابندیاں ہیں۔ ہم کو دوسرے لوگوں پر کوئی فضیلت نہیں، باستثناء اس کے کہ خدا کی مہربانی سے ہم پر یہ عنایت کی گئی ہے کہ ہماری ہدایت زیادہ وضاحت سے ہوئی ہے اور عمل و عبادت کا راستہ ہمارے لئے بہ آسانی صاف بنا دیا گیا ہے۔ اسلام ہی ایک تنہا علم ہے تمام انسانوں اور تمام مذاہب کے لئے اور ہم مامور کئے گئے ہیں کہ اس علم کو بلند رکھیں اور لوگوں کے دلوں اور دماغوں سے ہم اس کی سفارش کریں۔ مگر اس کام کے لئے صحت عمل کی ان عظیم الشان

مثالوں کی ضرورت ہے جنھیں پیغمبر اور ان کے خوش نصیب ساتھی قائم کر گئے ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر ہم جو کہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اپنے زمانے کے لوگوں سے چال چلن میں بدتر رہیں تو ہمارا یہ زبانی دعویٰ اسلام ہماری معصیت و شرمندگی میں صرف اضافہ ہی کا باعث ہوگا۔

دراصل جن آیات کو آپ نے اس طرح پیش کیا ہے کہ گویا ان کی رو سے اللہ نے (معاذ اللہ) لامحدود رحمت کے اہم ترین حصہ کو ہماری ہی جماعت کے لئے بلا لحاظ ہمارے اعمال کے مختص کر دیا ہے ان آیات میں میرے نزدیک صرف اس عالمگیر حقیقت کا اظہار ہے کہ بس ایک ہی مذہب ہے جس پر اس کا نام صادق آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان اپنے کو آسمان و زمین کے مالک کے حوالہ کر دے۔

آپ مجھے معاف فرمائیں گے اگر میں یہ کہوں کہ دیگر آیات جو آپ نے پیش کیں ہیں ہماری بحث سے خارج ہیں۔ کیونکہ وہ ان لوگوں سے متعلق ہیں جو اللہ کے رسولوں اور اللہ کی بادشاہت کی تردید اور وحی کی توہین کرتے ہیں۔ ان لوگوں سے متعلق آپ کے اور میرے درمیان اختلاف نہیں لیکن یہاں بھی لفظ کافر کے معنی میں آپ غلطی کرتے ہیں جبکہ آپ یہ کہتے ہیں کہ آیۃ (۴۸: ۱۳) میں جو محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہیں کرتے۔ انھیں واضح طور پر کافر کہا گیا ہے" دوسرے مذاہب والوں کو اللہ ناپسند نہیں فرماتا بلکہ ان لوگوں کو ناپسند فرماتا ہے جو شدت و سختی سے اس کی ہدایت کو رد اور اس کی عالمگیر حکومت کا انکار کرتے ہیں۔

مہربانی فرما کر فرقہ وارانہ تنگ خیالی کو قرآن سے منسوب کر کے قرآن کی عظمت کو نہ گھٹائیے۔

پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ جو مومنوں سے "سلامتی" کہے اسے کافر نہ کہو۔ کفار تو دراصل پادشاہت الٰہی کی وہ دشمن فوجیں ہیں۔ جو میدان جنگ میں مقابل ہوں۔ یہ لوگ ان میں شامل نہیں کئے جا سکتے جو اللہ و آخرت پر ایمان لاتے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں۔

اس تعلیم و تلاوت قرآن مجید والے معمہ میں میں نے چاہا تھا کہ اس مضمون پر زیادہ تفصیلی اور زیادہ عالمانہ جواب دوں۔ مگر بدقسمتی سے کام کی زیادتی نے مہلت نہ دی اور روزمرہ کے مسلسل روزوں نے بھی مجھے کسی قدر مضمحل کر دیا۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس تحریر کی خامیوں کو اور بالخصوص کسی ایسے فقرہ کو جو گستاخانہ یا غیر ہمدردانہ معلوم ہو (گو مجھے امید ہے کہ ایسا کوئی فقرہ آپ کو نہ ملے گا) آپ معاف فرمائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ حقیقتاً مجھ سے متفق ہیں مگر آپ کو کچھ یہ پسند آگیا ہے کہ آپ زمانہ متوسط کے اس حجرہ تخیل میں مکڑے ہوئے بیٹھے رہیں جس کی تعمیر تیسری صدی اسلام سے قبل کی یقیناً نہیں۔

معافی کا خواستگار و السلام و نیز عید مبارک۔

میں ہوں ہمیشہ کے لئے

آپ کا برادر دینی

دستخط

محمد پکتھال

ٹلیفون ۴۴۴۴ قطبی گوڑہ

حیدرآباد دکن

۱۱ شوال ۱۳۵۱ھ

۷ فروری ۱۹۳۳ء

جواب الجواب

محمد یحییٰ تنہا اسکوائر
رول سرڈیس ہوس
حیدرآباد (دکن)

جناب من!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یحمد یکم اللہ ویرحمکم اللہ۔

آپ کے خط مورخہ ۲۷ رمضان نے مجھے سخت مایوس کیا۔ وہ میرے خط مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۲ء کا دراصل کوئی جواب ہی نہیں۔ میرے خط کے اہم پہلوؤں میں سے کسی ایک کو بھی آپ نے چھوا تک نہیں۔ آپ نے بس یہی تحریر فرمایا کہ اس قسم کے اعتراضات آپ پر پہلے بھی وارد ہوچکے ہیں اور یہ خیالات کم وبیش عام ہیں۔ آپ نے اپنے ہی خیالات کو اصرار کے ساتھ دوہرادیا بغیر اس کے کہ ان کی تائید میں آپ کوئی سند پیش کرتے آپ نے بہت سی غیر متعلق باتیں بیان کردیں جن کا اس بحث سے کوئی سروکار نہیں۔ آپ نے مجھ پر چند غلط اتہامات لگادئے اور ایک بلا ضرورت مبتذل پھبتی مجھ پر کسکر اپنے خط کو ختم کردیا۔ ایسے اہم مسائل کے لئے یہ برتاو کسی طرح مناسب نہیں آپ جیسے جنٹلمین سے مجھے اس سے بہتر برتاو کی توقع تھی۔

جن آیات کو میں نے پیش کیا ہے ان کے معنے بہت صاف ہیں۔ یا تو آپ انہیں تسلیم کیجئے اور اپنے خیالات کی اصلاح فرمائیے یا آپ انھیں رد کیجئے اور اپنے خیالات پر قائم رہئے تیسرا کوئی راستہ نہیں۔

میں نے اپنی پیش کردہ آیات کے متعلق یہ ہرگز خیال نہیں کیا کہ یہ آپ کی پیش کردہ آیات کی تاریخ ہیں بلکہ میں نے تو ان آیات کو اس لئے پیش کیا تھا کہ ان سے آپ کی پیش کردہ آیات کے صحیح معنوں پر روشنی پڑے اور اس بات کو صاف طور پر میں نے اپنے خط میں واضح بھی کر دیا تھا۔ یہ ایک مثال تھی تفسیر القرآن بالقرآن کی جس میں کہ قرآن کے بعض کی بعض سے تفسیر کیجاتی ہے اور اس نوع کی تفسیر ہمیشہ زیادہ معتبر ہوتی ہے بہ نسبت ان تفاسیر کے جو ماضی یا حال کے کمتر اہمیت کے لوگ کرتے ہیں۔

میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ نیک چلنی کی ضرورت نہیں۔ نہ یہ کہا کہ خدمت لسانی ہی سب کچھ ہے۔ بلکہ میں نے تو اپنے خط کا بڑا حصہ (آخر صفحہ ۶ سے ابتدائے صفحہ ۹ تک) اسکی وضاحت میں صرف کر دیا کہ محض زبانی جمع خرچ سے یا محض اتفاقاً کسی خاص گھرانے میں پیدا ہو جانے سے کبھی کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

میں نہایت قوت سے اس پر قائم ہوں کہ ایمان بغیر عمل صالح کے اتنا ہی بے سود ہے جتنا کہ عمل صالح بغیر ایمان کے اور میرے اس عقیدہ کی تائید قرآن و حدیث اور پورے مستند اسلامی لٹریچر سے ہوتی ہے۔ اگر آپ کا خیال اس کے برعکس ہے تو اس کا بار ثبوت آپ پر ہے۔ آپ نے اپنے خیال کی تائید میں کوئی سند پیش نہیں کی۔ عرب و مصر کے علماء کی انفرادی رائے بلا تائید قرآن و حدیث اس امر میں مطلق قابل وقعت نہیں۔ میں نے حدیث کی کسی مستند کتاب میں وہ روایت نہیں دیکھی جسے آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرتے ہیں بلکہ برعکس اس کے میں ذیل میں آپ کی مزید رہنمائی کیلئے دو مستند احادیث نقل کرتا ہوں جن سے میرے ہی خیال کی تصدیق ہوتی ہے۔

ولو کان موسیٰ حیاً ما وسعہ الا اتباعی۔ رواہ احمد البیہقی فی شعب الایمان	(فرمایا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے) اگر ہوتے موسیٰ زندہ (اس زمانہ میں) تو انہیں کوئی چارہ نہیں ہوتا بجز اس کے کہ وہ اتباع کرتے میرا۔

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفس محمد بیدہٖ لو بدا لکم موسیٰ فاتبعتموہ و ترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان موسیٰ حیاً وادرک نبوتی لاتبعنی (رواہ الدارمی)

فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے اگر موسیٰ (اس زمانے میں) تم پر ظاہر ہوتے اور تم انکا اتباع کرنے لگتے اور میرا اتباع چھوڑ دیتے تو یقیناً گمراہ ہو جاتے اور اگر موسیٰ (اس وقت اس دنیا میں) زندہ ہوتے اور انہوں نے میری نبوت کو پایا ہوتا تو یقیناً وہ (بھی) میری ہی پیروی کرتے۔"

جبکہ اس معاملہ میں خود موسیٰ علیہ السلام کا یہ پوزیشن ہے تو ان کے متبعین کو ہمارے رسول کی پیروی سے کیونکر چھٹکارا ہو سکتا ہے۔

تعلیمات انبیا کے غیر محفوظ اور غیر تسلیم شدہ اثرات اور بعض موجودہ مسلمانوں کی سخت مبتذل روحانی دماغی و اخلاقی حالت کا بھی مسئلہ زیر بحث پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ آپ کے خیال کی غلطی آشکارا ہے کہ آپ "اسلام" کا ترجمہ "اسلام" نہیں کر سکتے باستثناء ایک مقام کے لیکن اس مستثنیٰ مقام سے بھی میری پوری پوری تائید ہو جاتی ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (المائدہ - ۳)

آج کے دن کامل کر دیا میں نے واسطے تمہارے دین تمہارا اور پوری کر دی اوپر تمہارے نعمت اپنی اور پسند کیا واسطے تمہارے اسلام کو دین۔

بس فیصلہ شد۔ اب تو بحث کا خاتمہ ہی ہو گیا۔ اسلام کا جدید ترین ظہور "اسلام" ہی کی اکمل صورت ہے جس سے سابقہ اور ایک طرح سے نامکمل صورتوں کی تنسیخ عمل میں آ گئی۔ اسلام کا یہ آخری ظہور ہی وہ کامل اور پسندیدہ دین ہے جو بارگاہ حق تعالیٰ میں قبولیت کا شرف رکھتا ہے۔

اگر آپ اسی بات پر اڑتے ہیں کہ "اسلام" کا ترجمہ "حوالگی" کر کے خاموش ہو جائیں۔

اور اس کی صراحت نہ کریں کہ اس حوالگی سے صحیح مراد کیا ہے نہ اس کی وضاحت فرمائیں
کہ جائز اور صحیح طور پر یہ حوالگی کیونکر عمل میں آسکتی ہے تو یقیناً اس روشنی سے آپ نے ایک
ابہام وسخت مایوس کن انتشار میں مبتلا کر دیں گے۔ حالت نازک تر ہو جاتی ہے جبکہ
آپ یہ کہتے ہیں کہ "مذہب مشتمل ہے بخوشی پوری طرح اللہ کے ارادہ کے تابع ہو جانے پر
جو (ارادہ) کہ لوگوں کے ضمائر میں ظاہر ہو"۔ ہر کس و ناکس کا ضمیر صحیح و قابل اعتماد
رہنما نہیں ہو سکتا۔ اگر ہو سکتا ہے تو خدائے تعالیٰ نے ہر قسم کے انسانوں کی رہنمائی
کے لئے یکے بعد دیگرے پیغمبروں کو کیوں مبعوث فرمایا؟ پھر آپ اس کا بھی اعتراف
کرتے ہیں کہ گذشتہ صحائف آسمانی تحریف و مسخ ہو چکے ہیں۔ اور ساتھ ہی اس کے اسے بھی
تسلیم کئے چلے جاتے ہیں کہ صداقت کی جھلک ان میں سے پائی جا سکتی ہے جو رہنمائی
کے لئے کافی ہے"۔ اگر ایسا ہے تو خدا نے کیا (نعوذ باللہ) حماقت کی جو ایک جدید پیغمبر کو
بھیجا اور جدید صحیفۂ آسمانی نازل فرمایا جبکہ انبیاء ماقبل اور صحف قدیم سے کام
چل سکتا تھا؟ عجیب تر بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ
ایک نیا رسول مبعوث فرمایا ہو۔ اور نئی کتاب نازل فرما دی ہو بلکہ نہایت شدت
و اصرار کے ساتھ اہل کتاب کو جن پر صحف قدیم نازل ہو چکے ہیں، حکم دیا ہے کہ محمد رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن پر ایمان لائیں اور ان کی پیروی کریں (ملاحظہ
فرمائیے آیات قرآنی ۴: ۴۷-۵: ۱۹ جنھیں میں نے اپنے سابقہ خط میں نقل کر دیا ہے)
حوالگی عمل میں آ ہی نہیں سکتی تاوقتیکہ تعمیل احکام نہ ہو۔ اور تعمیل احکام صحیح نہیں
ہو سکتی تاوقتیکہ ان تمام احکام الٰہی کی جو باضابطہ طور پر ہم پر نازل فرمائے گئے ہیں
ہم صحیح اسلامی جذبہ کے ساتھ پابندی نہ کریں۔

یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ نے بھی اس صحیح عقیدہ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے
اس کے صحیح طور پر فرمانبردار بندوں کے ساتھ طرفدارانہ برتاؤ کا ہم معنی قرار دیتے

ہیں اس نوعیت کے خیالات تو دشمنان اسلام کی جانب سے پیش ہوتے رہتے ہیں جو اسلام کو حماقت آمیز امور سے متہم کرتے رہتے ہیں۔ اس قسم کی اوندھی کھوپڑی والوں سے بعید نہیں کہ وہ یہ بھی کہنے لگیں کہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ طرفداری برتتا ہے جو صحت بخش آب و ہوا میں رہتے ہیں کیونکہ وہ انہیں بہتر تندرستی عطا فرماتا ہے۔ یا یہ کہ خدا زہر کھانے اور خودکشی کرنے والوں کے ساتھ بڑی بے رحمی برتتا ہے کہ انہیں مار ڈالتا ہے۔ اس زمین پر کہ دنیاوی حکومتیں بھی وفادار اور پابند قانون لوگوں پر مہربان اور قانون شکن لوگوں کے ساتھ بے رحم ہوتی ہیں۔ یہ سب ناہموار اور ٹیڑھے دماغوں سے نکلی ہوئی حماقتیں ہیں۔ آپکا عقیدہ بھی اللہ تعالیٰ کو اس عجیب النوع انصاف پسندی سے محروم رکھتا ہے جس سے کہ اسے متصف کرنے کی کوشش میں آپ اسقدر سرگرم نظر آتے ہیں۔ کیونکہ آپ کے عقیدہ کے مطابق بھی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ طرفداری برتتا ہے: جو اللہ و آخرت پر ایمان لاتے ہیں اور اعمال صالحہ جن سے سرزد ہوتے ہیں۔

مسلمان اس محدود معنی میں کوئی فرقہ نہیں جو معنی کہ اس لفظ کے عام طور پر سمجھے جاتے ہیں وہ تو متعدد اقوام کا مجموعہ ہیں جن میں عرب، شامی، عراقی، نجدی، مصری، ترک، کرد، مراکشی، ایرانی، افغان، ہندی، حبشی، افریقی، اور بکثرت دیگر اقوام شامل ہیں۔ اور مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ زیادہ عرصہ نہ گذرے گا کہ انگریز فرانسیسی، جرمن، اطالین، امریکن، جاپانی اور دیگر اقوام بھی ان میں شامل ہو جائیں گے یہ لوگ صحیح معنوں میں "لیگ آف دی نیشنز" ہیں اور وہ "فرقہ دارانہ" "تنگ خیالی" ایسا مطلق نہیں جو کہ اس لفظ سے آجکل سیاسی حلقوں میں مفہوم ہوتی ہے۔ قرآن میں نہایت وضاحت سے آیا ہے کہ:-

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ — اور نہیں بھیجا ہمنے تجھکو (اے محمدؐ) مگر رحمت واسطے (تمام عالموں کے)"

(الانبیاء - ۱۰۷)

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ — اور نہیں بھیجا ہم نے تجھکو (اے محمد!) مگر کافی واسطے سب لوگوں کے۔ (اسباء ۲۸)

مسلمانوں میں نہ وہ طرفدارانہ جذبات ہیں جنسے ذات پات یا جماعتوں میں کوئی امتیازی خصوصیت پیدا ہو نہ چھوت چھات کا لحاظ ہے جو کسی کی دعوت حق قبول کرنے میں مانع آئے۔ جو کوئی بھی دعوت حق قبول کرتا ہے۔ پورا فائدہ حاصل کرتا ہے جو اس سے باز رہتا ہے محروم رہتا ہے اگر آپ پورے شہر حیدرآباد کو دعوت طعام دیں مگر کھانا صرف اُن ہی لوگوں کو کھلائیں جنہوں نے آپکی دعوت کو قبول کیا ہو تو کیا کوئی شخص اس پر یہ الزام لگانے میں حق بجانب ہوگا کہ جو لوگ آپ کے بلانے پر آئے ان کے ساتھ تو آپ نے یہ طرفداری برتی کہ انھیں کھانا کھلایا اور جو آپ کے بلانے پر نہ آئے ان کے ساتھ یہ بے رحمی برتی کہ انھیں کھانا نہ کھلایا؟

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دعوتِ حق کے قبول کرنے سے کسیکو کیوں انکار ہو؟ اس سے صرف دو ہی وجوہ ہوسکتے ہیں دعوت حق کا نہ قبول کرنے والا یا تو اللہ کے سچے رسول کو (نعوذ باللہ) جھوٹا سمجھتا ہے۔ یا اسے باوجود سچا سمجھنے کے استغنا اور لاپروائی برتتا ہے پہلی صورت میں تو وہ احمق ہے اور اس کو اپنی حماقت کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا جس طرح کہ اس دنیا میں ہر احمق کو اپنی حماقت کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے دوسری صورت میں وہ باغی و سرکش ہے اور مستحق سزائے شدید ہے۔

انسان صرف دو ہی گروہوں میں تقسیم ہوسکتے ہیں۔ ایمان لانے والے اور ایمان نہ لانے والے ایمان لانے والے مومن ہیں۔ اور ایمان نہ لانے والے کافر ایمان نہ لاتا اور ایمان کا رد کردینا ہم معنی ہیں تعجب ہے کہ آپ ایک ہی چیز کو دو مختلف چیزیں قرار دیتے ہیں ما آپ اپنے روزمرہ کے کھانے کو "بہ شدت و سختی" رد کردیں یا مہذب و لطیف پیرایہ میں تناول طعام سے اجتناب فرمائیں۔ نتیجہ دونوں صورتوں میں ایک ہی ہوگا۔ اور وہ یہ کہ آپ کو بھوکا

مرنا پڑے گا۔ آپ کا یہ قول کہ "کفار تو در اصل پادشاہت الٰہی کی وہ دشمن فوجیں ہیں جو میدان جنگ میں مقابل ہوں" ایک ایسی ایجاد ہے جسکی تائید نہ قرآن میں ملتی ہے نہ حدیث میں۔ (ملاحظہ فرمائیے قرآن ۲: ۸۵، ۳: ۲۱ ؛ ۴: ۹۱۴۹، ۱۵۰ تا

مجھے افسوس ہے کہ آپ نے میری سابقہ تحریر کا حق ادا نہ فرمایا ورنہ مجھے اس دوسری تحریر کے ارسال کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی بعض حضرات کو اپنے مطبوعہ خیالات کی اپنے ہی قلم سے تردید کرنے میں بڑی مشکل کا سامنا ہوتا ہے میں امید کرتا ہوں کہ آپ شاید ان حضرات میں سے نہ ہوں۔ آپکے موجودہ خیالات تبلیغ و اشاعت اسلام وامر بالمعروف والنہی عن المنکر کی جڑ پر کلہاڑی مارتے ہیں۔ بلکہ آپ زیادہ عمیق نظر سے کام لیں گے تو آپ پر روشن ہو جائیگا کہ آپکے یہ خیالات سرے سے اسلام ہی کی بیخکنی کئے دیتے ہیں اور اس عظیم الشان برتر مقدس مذہب کو بازیچہ اطفال بنائے دیتے ہیں۔ اللہ آپ کو ہدایت فرمائے اور آپ کو وہ بصیرت عطا فرمائے جو انکشاف حق کے لئے ضروری ہے۔

آپ کا مخلص

(دستخط) سید محمد ذوقی

مزید آنکہ آپکے ترجمہ قرآن کی چند دیگر غلطیوں کی بھی ایک فہرست میں نے مرتب کی ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ اسے آپ کی خدمت میں ارسال کر دوں تاکہ آپ کو اپنے ترجمہ کی طباعت ثانی کی بہتری کے لئے شاید اس فہرست سے کچھ مدد مل سکے لیکن اس خط وکتابت سے آپ کی طبیعت کا جو اندازہ ہوا ہے اور جو میری توقع کے بالکل خلاف نکلا اسے دیکھتے ہوئے اس فہرست کا اب آپ کے پاس بھیجنا کچھ مجھے بے سود سا معلوم ہوتا ہے بہرحال بغرض منفعت مسلمانان میں اسے شائع کر دوں گا۔

(ذوقی)

قرآن کس لئے ہے؟

(آغا شاعر دہلوی)

قطعہ

ہر چیز کے سمجھنے ہی کا نام ہے لگن — الکن ہو کوئی اس میں کہ ہو صاحبِ سخن
مومن ہو تو کتابِ خدا میں ہو فکر و غور — قرآن میں غور کرنا عبادت ہے جانِ من

رباعی

یہ مذہبِ اولین بھی آخرین بھی ہے — قانونِ تمدن ہے سب کا ماہر بھی ہے
قرآن سمجھنے کی ضرورت ہے بہت — باطن بھی ہے اک اس کا ظاہر بھی ہے

دیگر

غفلت ہے تمہاری بھول کر بھی دیکھو — لازم ہے جو اس کو تو نظر بھی دیکھو

قرآن ہے منتظر تمہارا کب سے؟ — توحید کے لاڈلو! ادھر بھی دیکھو

اصول سیاست واخلاق وقانون

(مولانا ابو الاعلیٰ مودودی)

میں عرض کر چکا ہوں کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک علم۔ دوسرے عمل علم سے مراد یہ ہے کہ انسان اس سے آگاہ اور باخبر ہو کہ اسلام کیا ہے؟ اس کی تعلیم کیا ہے؟ وہ کس چیز کی طرف دعوت دیتا ہے؟ اور دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لئے ؟ وہ کیا دستور العمل پیش کرتا ہے عمل سے مراد یہ ہے کہ اسلام نے عبادات، اخلاق، معاشرت اور سیاست کے متعلق جو اصول اور قوانین مقرر کئے ہیں ان پر عمل درآمد کیا جائے

مفید نتیجہ پیدا کرنے کے لئے ان دونوں چیزوں کا ساتھ ساتھ ہونا ضروری ہے لیکن ان دونوں میں علم مقدم ہے کیونکہ عمل بغیر علم کے نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ہو بھی تو ٹھیک ٹھیک جیسا ہونا چاہیئے ویسا نہیں ہو سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ علم بلا عمل بھی مفید نہیں ہے، مگر جو شخص علم رکھتا ہے اس سے ـــــ یہ امید کی جا سکتی ہے کہ اس کے عمل میں کسی نہ کسی حد تک اس کے علم کا اثر بھی ضرور آئے گا۔

علم کی بنیاد قرآن ہے۔ اس کتاب پاک میں وہ تمام اصول اور قوانین بیان کر دئے گئے ہیں جن پر اسلام کا مدار ہے۔ لہذا ایک مسلمان کو سب سے پہلے قرآن کو سمجھنا اور اس کی تعلیمات سے باخبر ہونا چاہیئے۔ پھر علم کا دوسرا سرچشمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہے۔ آپ نے ایک نبی کی حیثیت سے ۲۳ سال تک جو کچھ کیا اور جو کچھ کہا ہے وہ سب قرآن کی تفسیر ہے، اور در اصل قرآن کی حقیقی اور مستند تفسیر وہی ہے علم کا تیسرا سرچشمہ صحابہ کرام کی زندگی ہے۔ انہوں نے قرآن کو خود حامل قرآن سے سمجھا

اور قرآن کی علمی اور عملی تفسیر خود اپنی آنکھوں سے دیکھی اور اپنے کانوں سے سنی ہے،
اس لئے ان کا سمجھنا دوسروں کی سمجھنے سے زیادہ صحیح اور معتبر ہے پھر جو لوگ ان تینوں
سرچشموں سے استفادہ کرکے اسلام کے اصول اور زندگی کے جزئی مسائل پر ان کو
منطبق کرنے کے طریقوں کو اچھی طرح سمجھ لیں ان میں یہ قابلیت پیدا ہو جاتی ہے کہ زندگی
کے عام معاملات میں جو ہر ملک اور ہر زمانے میں نئے ڈھنگ اور نئے طور سے پیش آتے
ہیں اصول اسلام کے مطابق احکام اور قوانین بنا سکیں کیونکہ جو علم انہوں نے قرآن
اور سنت رسول اور اسوۂ صحابہ سے حاصل کیا ہے اس سے وہ اسلام کی روح تک پہنچ
گئے ہیں اور ان میں یہ استعداد پیدا ہو گئی ہے کہ جب کبھی کوئی ایسا نیا معاملہ ان کے
سامنے آئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کے زمانہ
میں پیش نہیں آیا تو وہ یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس معاملہ میں رسول اللہ صلعم کا فتویٰ کیا
ہوتا یا اگر صحابہ کے سامنے یہی معاملہ آتا تو وہ کیا طرز عمل اختیار فرماتے اسی چیز کا نام اجتہاد ہے
اس ترتیب میں قرآن سب سے مقدم ہے، پھر سنت رسول اللہ، پھر اسوۂ صحابہ پھر اہل علم
کا اجتہاد لیکن بدقسمتی دیکھئے کہ آجکل اور نہ صرف آجکل بلکہ گذشتہ کئی صدیوں سے مسلمانوں
کے جہلا نے نہیں علما نے اس ترتیب کو بالکل الٹ دیا ہے۔ وہ طلب علم میں اپنی ساری توجہ
ان اہل علم کی کتابوں پر صرف کرتے ہیں جنہوں نے اسلام کی ابتدائی صدیوں میں اپنی واقفیت
اور فہم و بصیرت اور اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق اجتہاد کرکے اسلام کے عقاید اور
قوانین کی تشریح و توضیح کی ہے اس کے بعد تھوڑی بہت کوشش سنت رسول اور اسوۂ صحابہ
کا علم حاصل کرنے میں بھی صرف کی جاتی ہے لیکن سب سے کم توجہ اور عنایت جس چیز کے حصہ میں
آتی ہے وہ قرآن ہے۔ آپ مذہبی تعلیم کے کسی نصاب کو اٹھا کر دیکھ لیجئے، آپ کو اس میں سب سے
زیادہ فقہ، اصول، عقائد، کلام کی کتابیں ملیں گی اس کے بعد احادیث و آثار کا نمبر آئیگا
مگر آپ محسوس کریں گے کہ ہر نصاب میں یہ مضمون صرف اس غرض کے لئے رکھا گیا ہے کہ اس سے

اللہ کا بندہ خود اللہ کی کتاب اور اس کے اقوال و اعمال پر نگاہ ڈال کر یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ اگر وہاں فروع میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس مسئلہ میں ہماری رہنمائی کرسکتی ہو تو اصول میں کونسی اصل ہے جس سے اس مسئلہ میں ایک جدید فرع نکالی جاسکتی ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برسوں کی کوششوں اور کاوشوں کے بعد بھی نہ ہماری آنکھوں میں اتنی قوت بینائی پیدا ہوتی ہے کہ خود راستہ کے نشانات دیکھ سکیں نہ ہمارے پاؤں میں اتنی طاقت آتی ہے کہ اپنے بل بوتے پر آپ کھڑے ہوں اور استقلال کے ساتھ چل سکیں۔ اس لئے اس پر ہمیشہ مجبور ہوتے ہیں کہ کوئی طاقت ور بندہ خدا ملے جو ہمیں گود میں اٹھا کر لے چلے۔

اس سے میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ پچھلے مجتہدین یا ان میں سے کسی ایک کی تقلید کرنے کو ناجائز ٹھیراؤں یا انھوں نے اپنے علم اور اپنی ذہنی قابلیتوں سے اسلام کی جو خدمات کی ہیں ان کو بے کار قرار دوں۔ حاشا کہ میرے دل میں اس کا خیال بھی آیا ہو۔ میرا اعتراض دراصل اس ترتیب پر ہے جو تقدم اور تاخر کے معاملہ میں اختیار کرلی گئی ہے۔ میرے نزدیک دینی تعلیم میں سب سے مقدم قرآن ہونا چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو اس کے معانی اور اس کی تعلیمات کو زیادہ سے زیادہ سمجھایا جائے۔ اس کے بعد سنت رسول اور اسوۂ صحابہ کا مطالعہ ہونا چاہیے اور اس مطالعہ میں پڑھنے والے کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ وہ اپنے آپ ذہنی طور پر قرن اول کے مکہ اور مدینہ کی گلیوں میں پہنچا دے اور قریب قریب مقام پر پہنچ کر رسول اللہ اور آپ کے صحابہ کے آثار ملاحظہ کرے اور اس بصیرت کے ساتھ ملاحظہ کرے کہ ان آثار میں جو اصول ہیں وہ الگ الگ ذہن نشین ہوتے جائیں، جو فروع ہیں وہ اپنی اپنی اصل کے ماتحت اس مقام پر درج ہوں جو مقام خود رسول اکرم اور صحابہ نے ان کو دیا تھا اور ان سب کے ساتھ تعلیم اسلام کا رابطہ جس نوعیت کا تھا وہ مجموعی طور پر سامنے آجائے۔ اس گہرائی کے ساتھ قرآن اور اس کی حقیقی تفسیر کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک طالب علم کو دیکھنا چاہیے کہ

اُس خاص فقہی و کلامی مذہب کی تائید حاصل کیجائے جس کے پیرؤں نے وہ نصاب بنایا، رہا احادیث و آثار پر عبور اور اس سے اجتہاد کی قابلیت پیدا ہونا، تو یہ تو کسی کا مقصود ہے اور نہ کسی نصاب سے یہ فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ آخر میں قرآن کا نمبر آئیگا اور یہاں آپ دیکھینگے کہ خود قرآن تو کسی نصاب میں داخل ہی نہیں ہے البتہ اس کی بعض تفسیریں داخل ہیں مگر وہ ایسی تفسیریں ہیں جن سے قرآن کی روح اور اس کے مغز تک پہنچنا مشکل ہے اور اس پر غضب یہ کہ اکثر نصابوں میں یہ تفسیریں بھی پوری شریک نہیں ہیں۔[1]

اس غلط تعلیم کا نتیجہ تقلید جامد اور گروہ بندیوں کی شکل میں نمودار ہوا ہے ہمارے جہلا تو درکنار ہمارے علماء بلکہ بھی بیشتر حصہ اسلام کی اصلی روح اور اسکی صحیح تعلیم سے بے بہرہ ہو گیا ہے۔ وہ براہ راست خدا کی بھیجی ہوئی شمع ہدایت سے روشنی حاصل نہیں کرتے، بلکہ اس شمع سے جو مختلف چراغ روشن ہوئے ہیں ان کے گرد پروانہ وار جمع ہو گئے ہیں، اور ہر گروہ اپنے منظور نظر چراغ کو اصلی شمع ہدایت سمجھنے لگا ہے۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ لوگوں نے فروع کو اصول کی جگہ دیدی ہے اور اصول کو فروع کا درجہ دینے لگے ہیں۔ ایک صراط مستقیم سے مڑ کر مختلف پگ ڈنڈیوں پر ہو لیے ہیں۔ اور ہر گروہ صرف اپنی پگ ڈنڈی کو اصلی صراط مستقیم سمجھنے لگا ہے براہ راست کتاب اللہ اور سنت رسول سے استفادہ نہ کرنے اور سراسر فقہاء و مجتہدین کی رہنمائی پر اعتماد کرنے کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ صدیوں سے ہم میں مجتہد پیدا ہونے بند ہو گئے ہیں۔ ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو طلب علم میں عمریں بسر کر دیتے ہیں مگر ہزاروں لاکھوں میں ایک صاحب علم بھی ایسا نہیں نکلتا جو اصول اسلام کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر نئے حالات اور نئی ضروریات پر ان کو منطبق کر سکے، اور جدید پیدا شدہ جزئی مسائل میں نئے قوانین کا استنباط کر سکے۔ ہر مسئلہ جب سامنے آتا ہے تو نظریں پچھلے علماء کی طرف اٹھتی ہیں اور کوئی

---

[1] میں نے یہاں عمومیت کے ساتھ تمام نصابوں پر حکم لگایا ہے۔ اگرچہ میں اس سے بے خبر نہیں ہوں کہ اس کلیہ میں کچھ مستثنیات بھی ہیں لیکن سواد اعظم پر ان مستثنیات کا کوئی اثر نہیں ہے۔

تمدن و تہذیب کی ترقی کے ساتھ ساتھ جب معاملات نے وسعت اختیار کی نئی نئی ضروریات پیش آئیں۔ اور عقلی علوم کی اشاعت سے دین کے متعلق نئے نئے مسائل پیدا ہونے لگے، تو گذشتہ زمانے کے علماء نے کس طرح اصول سے فروع کا استنباط کیا، کلیات سے جزئیات نکالے، معاملات کے لئے فقہی قوانین مرتب کئے اور عقائد کی تشریح و توضیح کی۔ اس ترتیب کے ساتھ جب علم کا اکتساب کیا جائیگا تو اندھی تقلید اپنی مضرتوں سمیت ختم ہو جائیگی جس حد تک پچھلے مجتہدین کے اجتہادات ہمارے لئے کافی ہیں اس حد تک ہم ان کا اتباع کریں گے۔ اور جن معاملات میں وہ کافی نہیں ہیں ان میں ہم خود اجتہاد کر کے کتاب اللہ اور سنت رسول سے مسائل کا استنباط کر سکیں گے۔ نیز اس سے گروہ بندیاں بھی اپنی اس شدت کے ساتھ باقی نہ رہیں گی جو انہوں نے بعد کے زمانہ میں اختیار کر لی ہیں۔ کیونکہ جو لوگ اس طریقہ سے علم دین کا مطالعہ کریں گے ان کو اچھی طرح معلوم ہو جائیگا کہ دین کے اصول کیا ہیں۔ اور فروع کیا ہیں؟ اصول میں اختلاف کیا معنی رکھتا ہے اور فروع میں اختلاف کی کیا حیثیت ہے؟ کفر کیا ہے اور اسلام کی حدود کہاں تک وسیع ہیں؟ کفر و اسلام کا امتیاز کن اصول پر مبنی ہے؟ ایک شخص مرکز اسلام سے دور ہٹ جانے کے باوجود کس حد تک دائرہ اسلام میں رہتا ہے اور کہاں پہنچ کر اس دائرہ سے باہر ہو جاتا ہے؟ اور جو شخص دائرہ اسلام کے اندر ہو مگر ہماری رائے میں مرکز سے دور ہٹ گیا ہو اس کے ساتھ ہمارا کیا برتاؤ ہونا چاہئے؟

مگر خرابی تو یہ ہے کہ تعلیم میں قرآن پر حدیث اور حدیث پر فقہ، عقائد اور کلام کو جو ترجیح دیجاتی ہے، وہ محض سوال جوک کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ ایک بڑی سوچی سمجھی ہوئی غلط فہمی کا نتیجہ ہے لوگوں نے دیکھا کہ اسلام میں جتنے فرقے پیدا ہوئے ہیں وہ سب اولاً قرآن سے اور ثانیاً حدیث و آثار سے استدلال کرتے ہیں، اور قرآن مجید کی آیات اور احادیث و آثار کو اپنے مطلب کے معنی پہنا کر ان پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھتے ہیں۔ اس بنا پر گو علی الاعلان یہ نہیں کہا جاتا مگر عملاً یہ سمجھ لیا گیا ہے اور دبی زبان سے کہ

بھی دیا جاتا ہے کہ اختلاف کا سب سے بڑا سرچشمہ قرآن ہے، اور اس کے بعد احادیث و آثار ہیں۔ یہ خیال کر کے علماء کے ایک بڑے گروہ نے اپنے نزدیک عافیت اس میں دیکھی کہ دینی تعلیم کو صرف ان کتابوں تک محدود رکھا جائے جو خاص اپنے مذہب کے مطابق فقہ عقاید اور کلام کے مباحث پر لکھی گئی ہوں۔ احادیث و آثار کو اس حد تک پڑھایا جائے جس حد تک وہ اپنے مذہب کے لئے سند کا کام دے سکیں۔ اور قرآن مجید کو صرف تبرک کے طور پر پڑھ لیا جائے۔

یہاں اس تفصیل کا موقع نہیں کہ یہ غلط فہمی کن اسباب سے پیدا ہوئی اور کس طرح اس نے زور پکڑا۔ اس کی تفصیل ایک مستقل کتاب کی وسعت چاہتی ہے کیونکہ گویا اسلام میں فرقوں کی پیدائش کی تاریخ ہے۔ میں صرف واقعہ کی حد تک اس کو تسلیم کر دوں گا بلاشبہ تفرقہ کی بنیاد قرآن اور سنت رسول پر رکھی گئی ہے لیکن مجھے اس کے ماننے سے انکار ہے کہ اس کی ذمہ داری قرآن یا سنت رسول پر ہے۔ قرآن اور اس کے لانے والے نے تو ایک ہی دین اور ایک ہی سیدھا اور صاف راستہ پیش کیا ہے اور اس کی تو اصل دعوت یہ ہے کہ اس راہ راست میں تفریق نہ کرو۔ وہ تو کہتا ہے کہ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (۳ : ۱۱) اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور گروہ گروہ نہ بن جاؤ۔ اور اَقِيمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ (۴۲ : ۲) دین کو قائم کرو اور اس میں پراگندہ نہ ہو جاؤ۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهٖ (۶ : ۱۹) یہ میری سیدھی راہ ہے اس پر چلو اور الگ الگ راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمھیں پراگندہ کر کے اللہ کی سیدھی راہ سے ہٹا دیں گے وَاَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ (۸ : ۶) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑے نہ برپا کرو کہ اس طرح تمہاری ہمتیں ٹوٹ جائیں گی اور تمہاری ہوا۔

اکھڑ جائے گی۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَأُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (۳ : ۲) اور ان لوگوں کی طرح نہ بن جاؤ جنہوں نے کھلی آیتوں کے آنے کے بعد تفرقے اور اختلاف برپا کئے کہ ایسے لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ (۶ : ۲۰) جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ برپا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے۔ ان سے اے محمد تمہارا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ پھر وہ احسان جتاتا ہے کہ اللہ نے تم کو سیدھی راہ دکھا کر آپس کے تفرقوں اور باہمی عداوتوں سے بچالیا۔ اور تم سب کو بھائی بھائی بنا دیا۔ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا (۳ : ۱۱)۔

لوگو! اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور اس کی نعمت سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ سے بھرے ہوئے گڑھے کے کنارے پر تھے اس نے تم کو اس سے بچالیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفرق فی الدین کی ذمہ داری قرآن اور رسول پر نہیں ہے، اور ہر وہ شخص جو قرآن اور اس کے لانے والے کو سچا مانتا ہے۔ اسے تسلیم کرنا چاہیئے کہ یہ دونوں (جو حقیقت میں ایک ہی ہیں) اس ذمہ داری سے بری ہیں۔ مگر جب یہ واقعہ ہے کہ اختلاف کی نہریں کتاب و سنت ہی کے سرچشمے سے پھوٹی ہیں تو غور کرنا چاہیئے کہ آیا یہ واقعہ قرآن کے دعوے کی تکذیب کرتا ہے یا درحقیقت اس واقعہ سے قرآن کے دعوے پر کوئی اثر نہیں پڑتا؟ اور قرآن و سنت سے پیدا ہونے والا اختلاف باعتبار حقیقت اس اختلاف سے بالکل جداگانہ ہے جس کی بدولت دین میں تفریق واقع ہوتی ہے۔

اختلاف کی جتنی شکلیں دنیا میں نظر آتی ہیں، ان سب پر نگاہ ڈالئے تو آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ ان کو دو بڑی قسموں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک قسم کا اختلاف تو یہ ہے کہ دو یا بہت سی چیزیں اصل اور بنیاد میں متحد ہوں مگر چند ظاہری امور میں ان کے درمیان اختلاف ہو۔ اور دوسری قسم کا اختلاف یہ ہے کہ ان کے درمیان اصلی اور بنیادی اختلاف ہو۔ مثلاً ایک اختلاف، پانی اور برف کا اختلاف ہے اور دوسرا اختلاف پتھر اور پانی کا ہے۔ ایک اختلاف یہ ہے کہ ایک ہی جسم کا ایک سرا مشرق کی طرف ہے دوسرا مغرب کی طرف۔ اور ایک اختلاف یہ ہے کہ دو الگ الگ جسم ہیں جن میں سے ایک کا رخ مشرق کی طرف ہے اور دوسرے کا رخ مغرب کی طرف۔ ایک اختلاف یہ ہے کہ دو آدمی ایک ہی سڑک پر ایک ہی سمت میں چل رہے ہیں مگر ایک دائیں کنارے پر ہے دوسرا بائیں کنارے پر، ایک سوار ہے دوسرا پیدل، ایک تیز چل رہا ہے دوسرا سست۔ اور ایک اختلاف یہ ہے کہ دو آدمی دو الگ راستوں پر چل رہے ہیں۔ اور ایک مشرق سے مغرب کو جا رہا ہے دوسرا مغرب سے مشرق کو۔ ایک اختلاف یہ ہے کہ ایک ہی قوم کے مختلف گروہ رسم و رواج معاشرت کے طریقوں اور معاشی حالات کے اختلاف کی وجہ سے مختلف طبقات پر منقسم ہوں مگر من حیث القوم ایک ہوں۔ اور ایک اختلاف یہ ہے کہ دو مختلف قومیں اپنے ملکی حدود، تہذیب، تمدن، سیاست اور حکومت کے اعتبار سے مختلف ہوں اور ان کے درمیان کوئی ایسا رشتہ اور تعلق نہ ہو جو انہیں ایک دوسرے سے ملے رہنے پر مجبور کرے۔

اختلاف کی یہی دونوں قسمیں مذہبی معاملات میں بھی پائی جاتی ہیں۔ ایک قسم کا اختلاف تو یہ ہے کہ دو آدمی یا دو گروہ ایک ہی دین کے پیرو ہیں۔ اس کے اصلی اور بنیادی امور میں متفق ہیں۔ مگر عقاید اور عبادات و معاملات کے جزئیات میں ان کے درمیان اختلاف ہے اور یہ اختلاف ان کو دین کے مشترک امور میں متفق ہونے سے باز نہیں رکھتا

دونوں میں سے ہر ایک نیک نیتی کے ساتھ یہ سمجھتا ہے کہ دین کے فلاں حکم کی جو تعبیر اس نے کی ہے وہی صحیح ہے، مگر اس کے ساتھ وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ مخالف گروہ نے جو تعبیر کی ہے وہ اس دین کے دائرے سے خارج نہیں کر دیتی ہے اور ہمارا آپس کا اختلاف صرف اس مسئلہ کی حد تک ہے۔ دوسری قسم کا اختلاف یہ ہے کہ دو گروہوں کے درمیان جس مذہبی مسئلہ میں اختلاف ہوا اس کو وہ دین کا بنیادی سوال بنا لیں، دونوں ایک دوسرے کو گمراہ اور بے دین سمجھیں، اور ان کے درمیان کوئی ایسا امر مشترک باقی ہی نہ رہے۔ جس میں وہ باہم مجتمع ہو سکتے ہوں۔

پہلی قسم کا اختلاف رائے ایک فطری اختلاف ہے دنیا کے تمام نظری اور عملی مسائل میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں بتایا جا سکتا جس میں انسانی فطرت نے اس طرح کے اختلاف رائے اور اختلاف عمل کی شکل میں ظہور نہ کیا ہو۔ ہر معاملہ میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ لوگوں کے عقائد مختلف ہیں، خیالات مختلف ہیں، طریقے مختلف ہیں اور ان سب کی وجہ یہ ہے کہ ان کے طبائع مختلف ہیں، نہ سب لوگ ایک طرح سے سوچتے ہیں، نہ ایک طرح سمجھتے ہیں، نہ ایک ہی زاویہ نگاہ سے دیکھتے ہیں نہ ایک طرح سے اثر اور فعل کرتے ہیں۔ اور نہ ایک ہی طرح متاثر اور منفعل ہوتے ہیں۔ ایک ہی واقعہ کا ایک شخص پر کچھ اثر پڑتا ہے۔ اور دوسرے پر کچھ ایک ہی شے کو ایک شخص کسی نظر سے دیکھتا ہے اور دوسرا کسی اور نظر سے ایک ہی بات کے معنی ایک شخص کچھ سمجھتا ہے اور دوسرا کچھ اور۔ ایک ہی مقصد کے لئے ایک شخص ایک طریقہ اختیار کرتا ہے اور دوسرا کسی اور طریقہ سے کام لیتا ہے۔ ایک ہی فعل سے ایک شخص کا کچھ مقصد ہوتا ہے اور دوسرے کا کچھ اور غرض بنی آدم میں عقل و فہم اور افتاد طبع و انداز فکر کے لحاظ سے جتنا تفاوت ہے اتنا ہی ان کے خیالات اور ان کے طریقوں میں بھی فرق ہے۔

اس فطری اختلاف اور تفاوت کی وجہ سے قرآن اور سنت کے سمجھنے اور اس کے

مطابق عمل کرنے میں بھی اختلاف ہو سکتا اور ہوا ہے۔ گو قرآن کی آیات مفصل اور بین ہیں، اور رسول اکرم نے ان کے اقوال سے ان کے معانی کی اور زیادہ تشریح کر دی ہے اور اپنے اعمال سے ان کا ایک واضح نمونہ پیش کر دیا ہے۔ مگر اس کے باوجود انسانی فطرت کا مقتضی یہی ہے کہ ہر آیت اور حدیث کے معنی سب لوگ ایک ہی نہ سمجھیں اور ہر عمل اور نمونے کو سب لوگ ایک ہی طرح نہ دیکھیں۔ اس فہم و نظر کے اختلاف کا اگر تجزیہ کیا جائے تو اس کی بھی مختلف صورتیں پائی جائیں گی۔ مثلاً

کچھ لوگ پہلے سے کوئی خاص رائے قائم کئے بغیر آیت اور ایسی حدیث کے معنی و مفہوم اور مقصد و مدعا کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے ذہن میں پہلے سے کچھ خیالات جمے ہوئے ہوتے ہیں، پھر وہ انہی خیالات کے مطابق آیات و احادیث کی تاویل کر لیتے ہیں۔

کچھ لوگ سلیم الفطرت اور صحیح الفکر ہوتے ہیں۔ وہ ہر چیز کا سیدھا اور صاف مفہوم لیتے ہیں۔ صرف کام کی بات لے لیتے ہیں۔ ان باتوں سے تعرض نہیں کرتے جن کے جاننے سے کوئی فائدہ نہ ہو۔ بخلاف اس کے کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جن کے دماغ میں الجھاؤ ہوتا ہے، کسی چیز کو سیدھے اور صاف طریقے سے سوچ اور سمجھ ہی نہیں سکتے ہر چیز کو ترچھی اور ٹیڑھی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور کام کی باتوں کو چھوڑ کر بے کار باتوں میں الجھ جاتے ہیں۔

کچھ لوگوں کی نظر گہری، سمجھ تیز، عقل رسا، فکر بالغ ہوتی ہے۔ وہ بات کی تہ کو پہنچ جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کی نظریں سطحی ہوتی ہیں، عقل میں رسائی اور سمجھ میں تیزی نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ صرف ظاہر کو دیکھ سکتے ہیں۔ اور باطن تک نہیں پہنچ سکتے۔ اسی طرح لوگوں کے مبلغ علم میں اختلاف ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کے پاس ذرائع معلومات وسیع ہوتے ہیں۔ اور بعض لوگوں کا علم محدود ہوتا ہے۔

کچھ لوگوں کے مزاج میں اعتدال ہوتا ہے، وہ شدت اور افراط و تفریط سے بچے رہتے ہیں بخلاف اس کے کچھ لوگ فطرۃً انتہا پسند ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ مرکز سے ہٹ کر کسی ایک جانب جھک پڑتے ہیں۔ اور انتہا کو پہنچ جاتے ہیں۔

ان مختلف صورتوں میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جو دین میں رخنہ ڈالنے والی ہو اگر بدنیتی شامل نہ ہو تو خواہ کتنے ہی مختلف وجوہ سے قرآن اور سنت کی تاویل کی جائے اس پر غلطی کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔ مگر بے دینی کا حکم نہیں لگایا جا سکتا ہے اور بدنیتی کا معاملہ ایسا ہے کہ اس میں قطعیت کے ساتھ حکم لگانا آدمی کے لئے مشکل ہے۔ کیونکہ نیتوں کا حال خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا تاہم صرف ظاہری علامات کو دیکھ کر کسی کے متعلق یہ رائے قائم کر سکتے ہیں کہ اس نے بدنیتی کے ساتھ ایسا کیا ہے لیکن اس میں کسی نہ کسی حد تک یہ امکان ضرور باقی رہتا ہے کہ شائد اس نے کج فہمی، بالغیاوت ذہن یا انتہا پسندی کی بنا پر ایسا کیا ہو۔ علاوہ بریں یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ ایک واقعی بدنیت شخص نے کتاب و سنت کی غلط تاویل کرکے جو مذہب نکال لیا ہو اس کے پیرو بھی واقعی بدنیت ہوں ہو سکتا ہے کہ انہوں نے نادانی مگر نیک نیتی کے ساتھ اس کی پیروی اختیار کی ہو لہٰذا عقائد اور عملی طریقوں کے اختلاف میں نیت کے سوال سے قطع نظر کرکے صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ اختلاف اصل اور بنیاد دین میں ہے یا فروع اور جزئیات میں اس نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ قرآن اور سنت نے اصل اور بنیاد یعنی الدین اور صراط مستقیم میں کسی اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رکھی ہے، البتہ فروع اور جزئیات یعنی مسالک اور مناہج میں اختلاف کی گنجائش چھوڑ دی ہے تاکہ ہر شخص دین کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنی قابلیت اور استعداد اور رجحان طبع کے لحاظ سے جس معنے و مفہوم کو سمجھ سکتا ہو سمجھے اور جس طریق پر مطمئن ہو سکتا ہو اپنا اطمینان کرلے اگرچہ اس میں بھی جو فروع اور جزئیات اہمیت رکھتے تھے ان میں زیادہ سے زیادہ ممکن توضیح و تشریح سے کام لیا ہے،

مثال کے طور پر توحید ایک بنیادی عقیدہ ہے اس میں یہ گنجائش ہرگز نہیں چھوڑی گئی ہے کہ کوئی شخص خدا کو ایک سمجھے، کوئی دو، کوئی تین اور پھر بھی سب مسلمان رہیں خدا کے ایک ہونے پر سب کو ایمان لانا پڑے گا۔ **البتہ اس وحدت** کا جو مفہوم ایک پڑھا مسلمان سمجھتا ہے وہ ظاہر ہے کہ ایک دیہاتی نہیں سمجھ سکتے ایک فلسفی کے ذہن میں وحدت کے جو معنی ہوں گے وہ ایک عامی کے ذہن میں نہیں سما سکتے مگر اس کے مختلف معانی سمجھنے کے باوجود وہ جب تک خدا کو ایک سمجھتے ہیں۔ اس وقت تک ایک ہی اصل توحید پر متفق رہیں گے۔ اسی طرح ملائکہ کتب آسمانی یوم الدین، انبیا و رسل کے معاملے میں جو اصل اور بنیادی اعتقاد قرآن و سنت نے پیش کیا ہے۔ اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص ملائکہ کے وجود سے انکار کر دے، یا کتب آسمانی کے کلام الٰہی ہونے کا منکر ہو یا یوم الدین کے آنے کو نہ مانے، یا رسالت کا اقرار نہ کرے، یا قرآن میں جن رسولوں کا نام بصراحت لیا گیا ہے ان میں سے کسی کی رسالت سے انکار کرے اور پھر مسلمان بھی رہے۔ لیکن ملائکہ وحی، رسالت اور قیامت وغیرہ کی حقیقت اور ان کے معانی سمجھنے میں اختلاف ہونا ممکن ہے۔ اور جب تک کوئی شخص اصل عقیدہ سے انکار نہ کرے اس وقت تک وہ کسی تاویل کی بنا پر دین سے خارج نہیں ہو سکتا یہی حال اعمال کا ہے۔ خدا اور رسول نے جن اعمال کو فرض قرار دیا ہے یا جن کی تاکید فرمائی ہے یا جن کو حرام قرار دیا ہے، یا جن سے بتصریح منع فرمایا ہے انکے نفس فرض، یا نفس حرام، یا نفس موکد، یا نفس ممنوع ہونے میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے کوئی شخص فرض کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ حرام نہیں ہے البتہ اعمال کے طریقوں اور ان کی صورتوں میں اختلاف ہو سکتا ہے اور اس اختلاف سے اصل دین میں کوئی رخنہ نہیں پڑتا۔

پس قرآن اور سنت رسول اللہ سے جو اختلاف پیدا ہوتا ہو وہ اصل دین کا اختلاف نہیں ہے جس سے تفرق فی الدین پیدا ہوتا ہو، بلکہ وہ مناہج اور مسالک میں آراء اور طریقوں کا فطری اختلاف ہے جس کے رونما ہونے سے حبل اللہ کے ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوتے، اعلیٰ صراط مستقیم مختلف پگ ڈنڈیوں میں تقسیم نہیں ہو جاتی، ہدایت گمراہی میں نہیں بدل جاتی، ایک ملت کی کئی امتیں نہیں بن جاتیں۔ جماعت کا شیرازہ درہم برہم نہیں ہوتا اور وہ تنازع برپا نہیں ہوتا جس سے ہمتیں ٹوٹ جائیں اور ہوا اکھڑ جائے۔ یہ دوسری قسم کا اختلاف اور تفرقہ قرآن اور سنت سے پیدا نہیں ہوا ہے بلکہ خود ہمارے اپنے نفس کی شرارتوں سے پیدا ہوا ہے اس کی ذمہ داری قرآن وسنت پر نہیں بلکہ قرآن وسنت سے غافل ہونے اور جاہل رہنے پر ہے اور یہ وہ تفرقہ و اختلاف ہے جسے پیدا کرنے کے لئے نہیں بلکہ مٹانے کے لئے قرآن اتارا گیا ہے۔ اور رسول کو مبعوث کیا گیا ہے۔

میرے کہنے کی غرض یہ ہے کہ دین میں اصل فتنہ، اختلاف کا فتنہ نہیں ہے تشیع اور تحزب اور تعصب کا فتنہ ہے۔ ہر گروہ کا صرف اپنے مذہب اپنے مسلک اپنے منہاج، اور اپنی شرکت کو اصل دین اور ایک ہی صراط مستقیم قرار دینا، دوسرے کو خارج از دین اور گم کردہ راہ سمجھنا اسلامی عصبیت کو چھوڑ کر فرقہ وارانہ عصبیت اختیار کرنا، آپس میں عداوت اور ایک دوسرے سے نزاع رکھنا، یہی اصلی فتنہ ہے، اس کو قرآن نے تفرق فی الدین سے تعبیر کیا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس سے بچنے کی قرآن میں بار بار تاکید کی گئی ہے اور اسی کے متعلق فرمایا ہے

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ

جو لوگ اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں اور گروہ گروہ بن جاتے ہیں (اے نبی) تمہیں ان سے کوئی واسطہ نہیں ہے اس دین کی وسعت ظاہر کرنے کے لئے اللہ نے

رسّی سے تعبیر کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ تم اس رسّی کو تھامے رہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ
خواہ تم نے اس رسی کو کسی کنارے سے پکڑا ہو یا بیچ میں سے مشرق کی طرف سے یا
مغرب کی طرف سے، سیدھے ہاتھ سے یا الٹے ہاتھ سے بیٹھے بیٹھے یا کھڑے کھڑے، بہرحال
جب تک اس رسی کو تم تھامے رہو گے تفرق اور پراگندگی سے محفوظ رہو گے۔ اور جب تم نے
ہر گروہ اپنی گرفت کی حد ختم ہوتے ہی اس کو کاٹ ڈالے گا۔ اور اس رسی کے مختلف
ٹکڑے مختلف گروہوں میں بٹ جائیں گے تو پھر تم ہی نہیں بلکہ تمہارا دین بھی پارہ پارہ
ہو جائے گا۔ دنیا میں تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور آخرت میں تمہارا یہ حال ہوگا کہ خود تمہارے
سردار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تم سے کوئی واسطہ نہ ہوگا۔

پس مذاہب اور مناہج کے اختلاف کو دین کا اختلاف سمجھنا بنیادی غلطی ہے۔
دین تو ایک ہی ہے جس کو قرآن اور صاحب قرآن نے پیش کیا ہے۔ البتہ اس دین کو
سمجھنے اور برتنے کے طریقے مختلف ہو سکتے ہیں اور ان طریقوں کا اختلاف فطری ہے
جس سے گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں ہے قرآن خود کہتا ہے کہ لِكُلِّ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ
نَاسِكُوهُ (۲۲: ۹) ہم نے ہر گروہ کے لئے ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے اور ہر گروہ اسی پر
چلتا ہے۔ اور لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا (۵: ۷) تم
میں سے ہر ایک کے لئے ایک طریقہ اور ایک راستہ مقرر کر دیا ہے۔ ان طریقوں کے
اختلافات سے ڈر کر نفس قرآن کو جو اصل دین ہے چھوڑ بیٹھنا اور اس کو
برتنا کوئی عقلمندی نہیں ہے۔ قرآن کے مطالعہ سے جزئیات و فروع میں تاویل
و تعبیر کے اختلافات ضرور پیدا ہوں گے۔ مگر کلیات اور اصول جن پر دین کا مدار
ہے لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہو جائیں گے۔ اور وہ جس قدر زیادہ جاگزیں
ہوں گے اسی قدر تفرق فی الدین اور تحزب و تشیع کے فتنہ کا قلع قمع ہوگا۔

سائنس کی ایک اہم تحقیقات اور قرآن

(خان بہادر حاجی شیخ رحیم بخش ایم اے)

عام طور پر یہی سمجھا جاتا رہا ہے کہ آسمانوں میں روحانی ہی روحانی مخلوقات ہیں اور بعض نے تو آگے بڑھ کر کہدیا کہ "آسمان فقط حد نظر ہیں" اور کچھ نہیں قرآن کا دائرہ تخاطب جو رب العالمین کا آخری پیغام ہے ان ساری حدود سے بالاتر ہے۔ انسانی عقول و افہام مفروضات وعرف عام سب کے سب ہی ناقص ہیں۔ قرآن کریم کی نظریات تعلیمات سے روشنی پاتے ہیں۔ قرآن کریم آفتاب کی طرح روشن ہے عقول افہام عرف عام سب کو روشن کرتا ہے۔ پانی کی طرح پاک وصاف ہے۔ اور سب کو پاک وصاف کرتا ہے۔ فضائے بسیط کی طرح بسیط ہے اور سارے عالموں پر حاوی ہے۔ دنیا کی ساری تحقیقات، ساری ایجادات سارے انکشافات دوسری کتابوں کی تعلیمات پر تو انقلابی اثر ڈال سکتے ہیں۔ مگر قرآن کریم کی تعلیمات پر کوئی انقلابی اثر ڈالنے کے بجائے یہ سب کے سب خود بخود قرآنی تعلیمات کے مظاہر بن جاتے ہیں۔ یہ قرآن کریم کی عالمگیر صداقت کا درخشاں معجزہ ہے مریخ یا دوسرے اجرام سماوی میں حیات ونشوونما کے وجود کا امکان والقان آج سب کو اچنبھا معلوم ہو رہا ہے۔ مگر یہ کوئی نئی بات نہیں۔ آج سے تقریباً چودہ سو برس پیشتر ہی قرآن نے آسمانی مخلوقات کے متعلق یہ ارشاد فرمایا تھا۔

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيهِمَا مِنْ دَابَّةٍ وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ (شوریٰ رکوع ۳)

ترجمہ۔ اور یہ بات بھی اس کی ایک نشانی ہے بنانا آسمانوں اور زمین کا اور پھیلا دینا آسمانوں کا اور پھیلا دینا آسمانوں اور زمین میں دابہ یعنی ذی حیات مخلوق کا اور وہ جب چاہتے ان سب کو اکٹھا کر سکتا ہے۔

اس آیۃ کریمہ میں جو فیہما ہے یہ تثنیہ کی ضمیر ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا مرجع السمٰوٰت والارض دونوں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے ان دو تو یعنی آسمانوں اور زمین میں دابہ یعنی ذی حیات مخلوقات پھیلا رکھی ہیں۔ پھر ارشاد ہے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (نحل ع ۶) (ترجمہ) اور اللہ ہی کے آگے سر عبودیت خم کرتے ہیں وہ جو آسمانوں میں ہیں اور وہ جو زمین میں ہیں از قسم دابہ (یعنی مخلوقات حیوانی) اور ملائکہ بھی اور وہ سرکشی نہیں کرتے۔

اس آیۃ کریمہ سے دو باتیں پیدا ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ دابہ یعنی ذی حیات مخلوقات آسمانوں اور زمین دونوں میں ہیں۔ جیسا کہ من بیانیہ سے جو یسجد سے متعلق ہے ظاہر ہے۔ دوسرے یہ کہ دابہ اور ملائکہ الگ الگ مخلوق ہیں کیونکہ لفظ ملائکہ من سے خارج ہے اور یہ یسجد کا دوسرا فاعل ہے اب یہ معلوم کرنا ہے کہ دابہ ہے کیا چیز لغت میں دابہ دبیب سے مشتق ہے اور اس کے معنی چلنے پھرنے والی مخلوق کے ہیں۔ مگر ہمیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ خود قرآن کریم نے اس کی تعریف بیان فرما دی ہے ارشاد ہے

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ۔ (نور ع ۶)۔

ترجمہ۔ اور اللہ ہی نے پیدا کئے سارے دابے پانی سے۔ سو بعض تو ایسے ہیں جو اپنے پیٹ پر چلتے ہیں اور بعض تو ان میں وہ ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں اور بعض ان میں وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں۔

یعنی دابہ ہر جاندار مخلوق ہے جو پیٹ کے بل پر چلے دو پاؤں پر چلے چار پاؤں پر چلے یعنے سارے حیوان اور سارے انسان دابہ ہیں۔

مذکورہ آیت سے یہ باتیں ثابت ہوئیں۔

(ا) دابہ یعنی ذی حیات مخلوقات آسمانوں اور زمین دونوں میں ہیں۔

(ب) دابہ ملائکہ سے الگ ہیں۔ (ج) دابہ پانی سے پیدا ہوئے ہیں۔

(د) دابہ وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں۔ دو پاؤں پر چلتے ہیں۔ چار پاؤں پر چلتے ہیں ان آیات کا ماحصل اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ دابہ یعنے ذی حیات مخلوقات زمین پر بھی ہیں اور آسمان پر بھی اس لئے کہ یہ آیات بالکل صاف بالکل واضح ہیں۔ ان میں کوئی اشکال نہیں کوئی اغلاق نہیں کہ تاویل و تعبیر کرنی پڑے

یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ مفسرین نے یہی نظریہ کیوں نہیں پیش کیا۔ عرض ہے کہ بعض مفسرین نے اس نظریہ کی طرف اشارہ کیا ہے مگر یہ اشارہ بڑا ہی مبہم اشارہ ہے علامہ زمخشری علامہ ابن عادل اور کسی قدر علامہ ابن کثیر وغیرہم نے آسمانوں میں حیوانات کے وجود کا امکان بتایا ہے کیونکہ احادیث میں کچھ ذکر ہے مگر اکثر مفسرین نے اس وقت کے محدود ماحول سے متاثر ہو کر اس امکان کو خلاف عرف عام کہدیا ہے اور ساتھ ہی اسکو مختلف تاویلات و تعبیرات کا جامہ پہنا دیا ہے یعنی دابہ یا تو جنتیوں کی سواریاں ہیں یا ان سے مراد ملائکہ ہیں یا فیہما سے مراد فیہما ہے یعنی صرف زمین میں ہیں۔ یا فیہما سے مراد بینہما ہے یعنی آسمانوں و زمین کے درمیان کی مخلوق ہے اس وقت کا عرف عام اتنا وسیع نہیں تھا جتنا کہ آج کل ہے آج جدید تحقیقات و تدقیقات و انکشافات نے علمی و عملی نتائج سے عقول و افہام کی وسعت میں لا یعنی مفروضات کو دور کر کے ان میں وسیع علمی جولانیاں پیدا کر دی ہیں لیکن تو کوئی یہی کہتا کہ مریخ وغیرہ اجرام سماوی میں ذی حیات مخلوقات بستی ہیں تو یقیناً وہ دیوانہ سمجھا جاتا، مگر آج حالت یہ ہے کہ اس نظریہ کی کامیابی کا ہر شخص متمنی ہے کیا یہ ممکن نہیں کہ سائنس کا یہ نظریہ مریخ اور دوسرے سیاروں میں انسانی آبادی پائی جاتی ہے قرآن کریم کی ان ہی آیات سے ماخوذ ہوا؟

قرآنی خدا رب العالمین ہے زمینی مخلوقات کا خدا آسمانی مخلوقات کا بھی خدا ہے علم نہ ہونے کی وجہ سے ہم اب تک عالمین کا صحیح مفہوم سمجھنے سے قاصر رہے ہیں بیسیوں تاویلات کیں پھر بھی تشفی نہیں ہوئی معراج کا حصہ حل ہوا اب ان مذکورہ آیات کریمہ کی روشنی میں جدید انکشافات کو بھی پیش نظر رکھئے اور پھر بتائیے کہ اس میں کیا محال عقلی ہے

قرآنی عبادات کی فلاسفی

(ڈاکٹر ناصر شاہ صبا مشیر آباد)

ہستی باری تعالیٰ

مذہب سب سے پہلے اللہ کے ماننے سے شروع ہوتا ہے اور پھر اس کی عبادت کے طریقے بتائے جاتے ہیں جس کی بگڑی ہوئی شکلیں آسانی کے ساتھ معلوم کی جا سکتی ہیں۔ اصنام پرستی کا عام رواج ہے اس میں سے ایک یہ ہی کہ کوئی مورتی سامنے رکھی جائے اور اس کو خدا تصور کیا جائے۔ یہ مانا کہ عوام کی موٹی سمجھ کے لئے ذات باری تعالیٰ کی ارفع و اعلیٰ ہستی ابتداً سمجھ میں نہیں آتی اسی لئے بت وغیرہ کو رکھ کر تصور قائم کرایا جاتا ہے مگر ہزاروں نقص کے علاوہ اس میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ ادھر مادی اشیاء نظر سے اوجھل ادھر ناقص تصور غائب۔

علاوہ ازیں مٹی، پتھر، درخت، پانی، جانور وغیرہ متلاشی خدا اور خدا کے درمیان حائل ہو کر دیوار چین بن جاتی ہیں پس نتیجۃً انسان کا ان مادی چیزوں سے پرے جانا نہایت ہی مشکل ہو جاتا ہے اس لئے جیسے ہم اپنے بچوں کو ابتدا ہی سے اچھی صحبت میں رکھتے ہیں۔ بری صحبت سے بچاتے ہیں تاکہ بری صحبت کا اثر دل میں گھر نہ کر جائے۔ اسی طرح مذہب کے معاملہ میں بھی شیوہ اختیار کرنا چاہیئے کیوں کہ۔

خشت اول چوں نہد معمار کج ۔۔۔ تا ثریا می رود دیوار کج

اس لئے ضرور ہے کہ ابتدا ہی سے براہ راست اللہ تعالیٰ کا صحیح تصور قائم کرایا جائے۔ قرآن مجید میں ہے۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ ۔ کہہ وہ اللہ یکتا ہے، اللہ بے نیاز ہے۔ اس کی کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے، اور نہ اس کی برابری کا کوئی ہے۔

پیغمبر

اسی طرح جو ریفارمر، جو مصلح، یا جو پیغمبر مذہبی قوانین پیش کرے وہ خود اسکا

معمل ہوا اور خود اسی نوع میں سے ہو جیسا کہ پیغمبر اسلام کی شان میں ہے لقد جاءکم رسول من انفسکم اس کی اس لئے بھی ضرورت
کہ انسانوں کے لئے اس کی ذات بطور خود نمونہ کے ثابت ہو سکے، صحرا نوردی، تجرد
و تحیر تو ظاہر ہے کہ تمدن و معاشرت کے لئے بے کار چیزیں ہیں۔ ضرورت تو اس کی
ہے کہ وہ پیغمبر انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں مشعلِ راہ ہدایت ہو۔ سیاست و تجارت،
داد و ستد، فقر و غنا، صبر و رضا، امارت و حکومت اور دولت و ثروت وغیرہ کا
پورا پورا تجربہ رکھتا ہو دوسری خاص بات یہ ہے کہ اپنے دماغ کو ناقص علم سے
مبرہ رکھکر مطالعہ فطرت اور قانون قدرت کے علم سے پوری طرح پر نوازا گیا ہو۔
ایسی برگزیدہ ہستی کی اتباع کرنے میں کسی مبصر انسان کو بھی تامل نہ ہوگا۔ اس کیلئے
بھی تاریخ عالم پر نگاہ ڈالی جا سکتی ہے۔ گبن اور سر ولیم جان ڈریپر سے دریافت
کیا جا سکتا ہے کہ ایسی جامع صفات ہستی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسری
اور کون ہے۔ اسی لئے ارشاد ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

قرآن

یہ خدا اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے اپنے بندوں کے لئے جو آسمانی قوانین بھیجے اس کا
بھی یہ حال ہونا چاہیے کہ وہ رطب و یابس سے پاک ہو اس کی زبان بدلنے
والی نہ ہو اس میں تغیر و تبدل ناممکن ہو۔ ہر زمانہ کے لئے یکساں طور پر کارآمد ہو
ہر شخص کے علم و عمل کے لائق ہو۔ جس کا دعوی ہو ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ
فِيْهِ جس کی پکار ہو۔ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ۔ غور فرمائیے اس آسمان کے نیچے
اور اس زمین کے اوپر قرآن کے سوا اور کون دوسری کتاب ہے جس کو پڑھ پڑھ کر
آج بھی دنیا کے ذی علم غیر مذہب کے افراد آغوشِ اسلام میں بے تابانہ چلے آ رہے
ہیں۔ خدا کرے عالمگیر تحریک "قرآن" کے ذریعہ سے قرآن مجید کا علم و عمل عام ہو
اور مولانا ابو محمد مصلح اور جناب نواب نذیر جنگ بہادر جس بیج کو بو رہے ہیں وہ

تناور درخت ہو، پھولے اور پھلے جس سے دنیا شاد کام ہو۔

نماز عموماً ہر بُرے کام سے بچنا یہ بھی ایک بڑی نیکی اور عبادت ہے اس کے لئے قرآن مجید نے نماز کو پیش کیا ہے اور اس کی تعریف میں فرمایا ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ نماز ہر فحش اور ہر ناپسندیدہ فعل سے باز رکھتی ہے۔ غور کیجئے روز و شب میں پانچ مرتبہ جو مسلمانوں پر نماز فرض ہے وہ کس قدر فلسفیانہ اور اخلاق آموز ہے اور اس کے علاوہ جملہ مذاہب کی عبادت سے کامل تر بھی یہ دین کا ستون بھی ہے اور مومنوں کے لئے معراج بھی۔

بعض لوگ کہہ سکتے ہیں کہ یکسوئی پیدا کرنے کے لئے چلہ کشی مسمیریزم وغیرہ نماز کی حرکت سے زیادہ مفید ہے کیونکہ اس میں خیال منتشر ہوتا ہے امور لئے انکار کی بہتر صورت تو یہ بھی کہ آنکھیں زمین سے مس ہوتیں جیسے آنکھیں تلووں سے ملنا مثل مشہور ہے رنیز بجائے اوندھے پڑنے کے چت پڑنا زیادہ مغلوبیت کی نشانی ہے جیسا کہ کشتی میں پشت کا زمین سے لگ جانا ہار جانے کی علامت ہے۔

ان اعتراضات کے جواب سنیئے اگر عبادت ایک حال میں بلا حرکت ہو تو خون کی گردش کم ہو کر بجائے انہماک تصور یا ریشنی کی غنودگی طاری ہوگی۔ اس لئے جہاں قیام میں بدیر بلا حرکت کھڑے رہے خون کی گردش کم ہوئی تو انگڑائی جو طبعاً سستی دفع کرنے کے لئے کیجاتی ہے اسی طرح رکوع کی کیفیت ہے جس ڈگری کا دائرہ گوشہ بنتا ہے جس کی وجہ سے رگیں تن کر گردش خون کو ٹھیک کردیتی ہیں وہ غنودگی جو طاری ہونے کو تھی رفع ہوجاتی ہے اور سجدہ میں جاتے ہوئے بہترین ورزش پیروں کی ہوجاتی ہے وہ یوں کہ ہاتھ اتنے کھلے ہوں کہ بکری کا بچہ بغلوں میں سے نکل سکے اور پیر کے انگوٹھے زمین پر جمے رہیں تاکہ تناسب کے ساتھ جسم کا وزن پڑے ہاتھی کا مہرہ نہ ہونے پائے امر

جو پیدا ہوتے ہیں ان میں سامنے پیدا ہونے والے امراض اکثر معمولی ہوتے ہیں جا بقین کے ذارنحت ہوتے ہیں پیٹ کے جانب کے زیادہ مہلک امراض کے پیدا ہونے کی یہ صورت ہے کہ پہلے اس کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ مگر رکوع و سجود میں بار بار پڑھنے کی وجہ سے معدہ سامنے ڈھلک آتا ہے اور یوں مہلک مادہ معمولی بن جاتا ہے اور وہ تکلیف دہ ریح جو آنتوں اور معدہ میں ہوتی ہے سجدہ میں نیچے اتر آتی ہے اور التحیات میں پنجہ کو سرین کے نیچے رکھنے سے اجابت صاف آتی ہے۔ یہ اختصار سے طبی فوائد عرض کیا گیا ہے۔ اب روحانی فوائد سنیے کیونکہ انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے سجدہ میں جب پیشانی ٹیکی جاتی ہے تو یہ علامتاً انتہائی انکساری و عاجزی کی ہے کیونکہ انسان کی عزت عقل سے ہے نہ کہ بینائی سے مطلب خداوندی یہ ہے کہ انسان کے جسم میں سب سے زیادہ سر کی وقعت ہے اور سر میں عقل کا وہ حصہ جو فوری بلا غور و خوض خطرہ کے موقع پر کام کرے وہ پیشانی ہے۔

عبد مطلق کو معبود حقیقی کا اشارہ ہوا کہ سب سے زیادہ باوقعت چیز کو ہمارے سامنے عاجزی سے زمین پر رکھ دو۔ تجارت زراعت ملک گیری میں ایسا انہماک ذاتی ہو جاتا ہے کہ بعض وقت خیال کی رو اسقدر بڑھتی ہے کہ رکنا محال ہو جاتا ہے دل و دماغ کا سکون ہوا ہو جاتا ہے اس لئے اکثر یورپ و ایشیاء کے بہترین محنتی دماغ طبی مشورہ کے بناء پر کسی جزیرہ نما وغیرہ میں جا کر آرام لینے پر مجبور ہوتے ہیں ایسی صورت میں نماز اکسیر کا کام دیتی ہے اور ایسا سکون قلب و دماغ بخشتی ہے جو شاید ہی کسی اور چیز سے حاصل ہو۔ کیونکہ نماز اصل میں ایک ایسی ہستی کے سامنے خود کو پیش کرتا ہے جس کے پاس سب کچھ ہے کارساز ہے کارفرما ہے بخشش ہو رہی ہے۔ اب اثنائے نماز میں سجدہ کے اندر پیشانی کی رگیں آہستہ سے دبنے کی وجہ سے خیالات کے مختلف شرائین و شاخین ایک جگہ سمٹ کر آجاتی ہیں اور

پھر ایک ہی تصور بختگی سے قائم ہوتا ہے اور وہ تصور ذات باری کا ہے اور اپنی عاجزی کا پتا

سجدہ میں جب انہماک ہوجاتا ہے + نفس سرکش ہلاک ہوجاتا ہے۔
مسلم کے لئے عجیب نعمت ہے نماز + سر خاک میں رکھ کے پاک ہوجاتا ہے

دیکھو میدان جنگ میں حضرت امام حسینؓ تین دن کے پیاسے تپتی ریت میں
لق و دق میدان بے یار و مددگار بے مونس و غمخوار پھر بھی عنان صبر و استقلال
سکون قلب و دماغ ہاتھ سے نہ دیا اور مرتے دم تک نماز نہ چھوڑی وہاں سکون
قلب کے لئے کیا چیز تھا یہی نماز تھی اور بس ایسی ہستی صبر و رضا کا مجسمہ دنیا مشکل
سے پیش کرے گی۔ آپ کی شان میں شہزادہ محمد تقی جاہ بہادر کا شعر ہے۔

اسلام اے کہ دوان کہ ہمت از تو + گشت روشن بہ جہان نام شہادت از تو

صحابہ کرام نے بھی وہ وہ کارنمایاں کئے اور اس قدر کاروبار مملکت اور
تبلیغ اسلام میں مصروف ہے کہ زبان ان کی تعریف سے قاصر ہے باین ہمہ گوشہ
عافیت ڈھونڈھنے کی نوبت نہیں آئی دل و دماغ کو آرام دینے کی ضرورت نہیں پڑی
کیوں بس یہی نماز کی برکت تھی اسی سے اطمینان و سکون قلب و دماغ ہوتا تھا۔
اسی نماز میں تیر پیر سے نکال لیا اور خبر نہ ہوئی یہی ان بزرگوں اور ان کے
نام لیوا نماز کے پڑھنے والے ہیں اور مسلمان۔ تو مسلمان بعض ہند و صاحب بھی
ہیں جن کی اپنی حالت بھی اچھی ہے مگر نماز پڑھتے ہیں اور قرآن شریف کی تلاوت کرتے
ہیں اور اطمینان قلب حاصل کرتے ہیں اور دور نہیں اسی بلدہ حیدرآباد فرخندہ
بنیاد میں موجود ہیں۔ رہا خدا کا یقین اور اس کا وجود تو سنئے کہ وہ اپنی اسی شان
میں جلوہ گر ہوسکتا ہے جو اس کے شایان شان ہے۔

نہ تجھے دماغ نگاہ ہے نہ کسی کو تاب جمال ہے
انہیں کس طرح سے دکھائیں ہم وہ جو کہتے ہیں کہ خدا نہیں

قرآنی قصے   اسوۂ ابراہیمی

(مدیر)

اسوۂ ابراہیمی اور ملت ابراہیم سراپا عبدیت اور محبت کا سوز و ساز لئے ہوئے ہے اور اس درجہ فدویت اور اپنا نیگشانہ ہے کہ اس اسوہ اور اس ملت کا تمام ہی سلام قرار پایا اور دوسروں کو بھی اس کے قبول کرنے کی دعوت دی گئی

حضرت ابراہیم خلیل اللہ میں معبود برحق کی محبت اس درجہ ظاہرہ باہر تھی کہ آپ کا ہر فعل ہمہ درس محبت تھا۔ اور جس کا جی چاہے کہ اپنے مولا کی خوشنودی حاصل کرے اور محبت جیسی چیز کی حقیقت سے واقف ہو تو اس کو چاہئے کہ مقام ابراہیمی پر ہر لحہ نگاہ رکھے کہتے ہیں کہ سب سے پہلے آپ نے اپنی والدہ سے معرفت الہی کے متعلق مکالمہ شروع کیا۔ یا امی من ربك اے میری ماں تیرا خدا کون ہے۔ جواب ملا تمہارا باپ آپ نے کہا اور میرے باپ کا رب کون ہے۔ انہوں کہا بادشاہ وقت اس پر آپ نے ساکت کر دینے والا یہ جملہ فرمایا اور اس کا رب کون ہے؟ خموشی کے سوا اور کیا جواب ہو سکتا تھا۔ پھر پوچھا اے ماں میں خوبصورت ہوں یا میرا باپ، ماں نے کہا تم خوبصورت ہو، پھر بولے میرا باپ زیادہ خوبصورت ہے یا بادشاہ۔ ماں نے جواب دیا تمہارا باپ زیادہ خوبصورت ہے۔۔۔

حضرت ابراہیم نے کہا اگر میرا باپ میرا پروردگار ہوتا تو وہ مجھکو اپنے زیادہ حسین کیوں پیدا کرتا اور اسی طرح ہمارے باپ کا پروردگار بادشاہ ہوتا تو خود ان سے حسن میں کم کیوں ہوتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نگاہ حقیقت شناس کو درمیانی چیزیں کب روک سکتی تھیں اور بڑی سے بڑی چیز پردہ بنکر حائل کیونکر ہو سکتی تھی۔ آپ کو معلوم

تھا کہ حسن کا منبع کہاں ہے۔ ایک مرتبہ تعلیماً فرمایا۔ فلما جن علیہ اللیل
رأکوکباً قال ھٰذا ربی فلما افل قال لا احب الآفلین
جب اندھیری رات آئی تو ستاروں کو دیکھکر بولے یہ میرا رب ہے جب وہ ستارہ
غائب ہوا تو کہا کہ میں چھپ جانے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اس کے بعد فلما
را القمر بازغاً قال ھذا ربی فلما افل قال لئن لم
یھدنی ربی لاکونن من القوم الضالین۔ جب روشن چاند
نظر آیا تو کہا یہ میرا رب ہے اور جب وہ بھی غائب ہوگیا تو فرمانے لگے اگر میرے
خدا نے ہدایت نہ کی تو بیشک میں گمراہوں میں سے ہو جاؤں گا اسی طرح جب صبح
ہوئی اور سورج پر نظر پڑی تو ارشاد ہوا فلما را الشمس بازغۃ قال
ھذا ربی ھٰذا اکبر فلما افلت قال یا قوم انی بری مما
تشرکون۔ انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت
والارض حنیفاً وما انا من المشرکین۔ جب آفتاب کو روشن دیکھا
تو کہا یہ بڑا میرا خدا ہے اور جب وہ بھی غروب ہوگیا تو بول اٹھے اے قوم
میں اس سے بیزار ہوں جو تم شرک کرتے ہو۔ میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے
زمین و آسمان کو بنایا اور میں یکسو ہو رہا اور میں کسی چیز کو اللہ کے ساتھ شریک
کرنے والا نہیں

ماں اور باپ سے گفتگو ہو چکی تو قوم سے براہ راست تبلیغ توحید شروع
ہوئی فرماتے ہیں۔ اذ قال لابیہ وقومہ ماذا تعبدون تم کس کی
پرستش کرتے ہو۔ کسی نے کسی کا نام لیا اور کسی نے کسی کو بتایا أئفکاً آلھۃ دون اللہ
تریدون فما ظنکم برب العالمین۔ اے لوگو خدا کے سوا جھوٹے
معبود کیوں بناتے ہو اور تمہارا معاملہ رب العالمین خدا کے ساتھ کیا ہے۔

اس کے بعد حقیقت نامہ کا اظہار خود کر دیتے ہیں قال بل ربکم رب السموت والارض الذی فطرھن و انا علیٰ ذالکم من الشٰھدین
بولے تمہارا رب وہی ہے جو آسمان و زمین کا رب ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور میں تو اسی بات کا قائل ہوں۔ اس کے بعد بتوں کی شان میں کیا خوب ارشاد ہوتا ہے ماھٰذہِ التماثیل التی انتم لھا عاکفون۔ یہ پتلے کیا حقیقت رکھتے ہیں جن کی تم پرستش کرتے ہو۔

جب زبانی تبلیغ ہو چکی اور زبانی جہاد سے کام لیا جا چکا تو باطل کے مٹانے کی طرف ہاتھ بھی بڑھا۔ قوم عید منانے شہر سے باہر گئی لیکن آپ کو ان سے اور ان کی دلبستگیوں سے کیا تعلق تھا۔ بلکہ آپ تو اس فرصت میں جو کچھ کرنا چاہتے تھے وہ اور ہی تھا۔ فرماتے ہیں تاللہ لاکیدن اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین۔ خدا کی قسم جب تم تماشا گاہ میں جاؤ گے تو میں ان بتوں کو توڑ ڈالوں گا۔ فجعلھم جذاذاً الا کبیراً لھم لعلھم الیہ یرجعون ان بتوں کے ٹکڑے کر ڈالے صرف ایک بڑے کو چھوڑ دیا تاکہ اس معاملہ سے سبق حاصل کریں قوم نے اپنے خداؤں کو واپس آکر یہ حال دیکھا اور دست تاسف ملنے لگے۔ قالوا من فعل ھٰذا بالھتنا انہ لمن الظٰلمین۔ بولے یہ حال ہمارے بتوں کا کس نے بنایا ہے اس نے یقیناً ہمارے حال پر ظلم کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ دوئی کا مٹانے والا کون ہو سکتا تھا۔ اور سوا ابراہیمؑ کے بت شکنی دوسرا کون کر سکتا تھا۔ قالوا سمعنا فتیً یذکرھم یقال لہ ابراھیم کہنے لگے ہم نے ایک جوان کو بتوں کی توہین کرتے ہوئے سنا ہے جس کا نام ابراہیم ہے۔ قالوا فاتوا بہ علیٰ اعین الناس لعلھم یشھدون سبھوں نے کہا ابراہیم کو لوگوں کے سامنے

لے آؤ تاکہ ہم حقیقت حال سے واقف ہوں۔ آپ سامنے لائے گئے تو لوگوں
نے کہا ءانت فعلت هذا یا ابراهیم اے ابراہیم کیا یہ فعل تم نے
ہمارے بتوں کے ساتھ کیا ہے قال بل فعله کبیرهم هذا فاسئلوهم
ان کانوا ینطقون آپ نے کہا مجھ سے کیا سوال ہے یہ تو ان کے بڑے کی طرف
سے ہوا ہے اگر تمہارے یہ بت جواب دے سکیں تو انہیں سے دریافت کرو۔
ثم نکسوا علی رءوسهم لقد علمت ما هؤلاء ینطقون۔ باطل
پرست سرنگوں ہو کر بولے اے ابراہیم تمہیں تو خوب معلوم ہے جیسا یہ بولتے ہیں یہ موقع تھا
کہ آپ اب پوری طور پر تبلیغ کا حق ادا فرمائیں قال افتعبدون من دون
الله ما لا ینفعکم شیئا ولا یضرکم اف لکم ولما تعبدون
من دون الله افلا تعقلون تم خدا کے سوا ایسے کی پرستش کرتے ہو کہ
جو تمہارا کچھ بھلا برا نہیں کر سکتا۔ میں تو تم سے بھی اور ان سے بھی بیزار ہوں جن
کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو۔ کاش تم کو عقل ہوتی۔

باطل جب سرنگوں ہو جاتا ہے اور باطل پرست جب عاجز آتے ہیں
تو مد مقابل کے لئے اپنا آخری حربہ استعمال کرنے پر اترتے ہیں۔ اور پھر کسی
قسم کی رعایت اور مروت نہیں کرتے یہاں بھی اسی کی تیاری شروع ہو گئی
اور وقت آ گیا کہ عشق اپنا خراج طلب کرلے اور عاشق سے وہ مانگے جو اس کی
آخری متاع ہو تاکہ دنیا دیکھ لے کہ دعویٰ بغیر ثبوت کے کوئی حقیقت نہیں رکھتا
اور معلوم ہو جائے کہ اس راہ میں صرف سچوں ہی کا قدم جم سکتا ہے قالوا
احرقوه وانصروا الهتكم ان كنتم فاعلين قوم نے کہا اس کو
جلاؤ اور اس طرح اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ قالوا ابنوا له بنیانا
فالقوه فی الجحیم۔ ایک بنیاد تعمیر کرو پھر وہاں سے ان کو آگ کے انبار میں پھینک دو۔

قوم کا جو فیصلہ تھا وہی حکمران کا بھی مدعا تھا۔ آگ طیار کی گئی اور منجنیق کے ذریعہ سے حضرت خلیل اس میں ڈالے جانے کے لئے لائے گئے۔ پوری قوم نے اس لئے شرکت کی کہ ان کے خیال میں یہ ایک عبادت تھی یہاں تک کے آذر نے بھی منجنیق کے کھینچنے میں ہاتھ لگایا۔ یہ دیکھکر حضرت ابراہیم جناب باریتعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا۔ الٰہی میرا باپ بھی میرا دشمن ہوگیا ہے دنیا کا قاعدہ ہے کہ مصیبت پڑے پر آدمی اپنے ماں باپ کے پاس شکایت لے جاتے ہیں اور میرے باپ کا یہ حال ہے اے میرے خدا آج میں سب سے بیگانہ ہوں اور تیرے سوا میرا کوئی یگانا نہیں۔

کائنات کا ہر ذرہ امام العاشقین کی مدد پر زبان حال سے تیار تھا ہوا کو اشارہ ہوتا تو ابھی آگ دشمن کے گھروں پر جا برستی، پانی کی طرف نگاہ اٹھتی تو آگ کا نام و نشان بھی باقی نہ رہتا۔ اس اثنار میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا اگر آپ کا حکم ہو تو آگ کے انبار کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے حضرت خلیل علیہ السلام نے پوچھا کیا یہ جو تم کہتے ہو خدا تعالیٰ کے حکم سے ہے جبرئیلؑ بولے نہیں فرمایا پھر مجھکو کسی کی مدد درکار نہیں میری غرض اس سے ہے جس کا تمام عالم محتاج ہے۔

کافروں کو جو کچھ کرنا تھا کر چکے آپؑ کو آگ میں پھینک دیا اور اپنے خیال میں سارے جھگڑوں کو چکا دیا۔ مگر ان کو کیا معلوم تھا کہ عشق الٰہی کی آگ ایک ہی مرتبہ جلا سکتی ہے، اور یہ آگ جس کو ایک مرتبہ جلاتی ہے اس کو کوئی آگ کبھی نہیں جلا سکتی۔ بلکہ برعکس اس کے ساری آگ اس کے سامنے سرد پڑ جاتی ہے جس کی محبت کی آگ میں حضرت خلیل علیہ السلام جل رہے تھے اب اس کے نگاہِ لطف کی ضرورت تھی کیونکہ بیچ میں کسی کا پردہ باقی نہیں رہا تھا اور اس محبت الٰہی کی آگ نے سارے ماسوا کو جلا کر نیست و نابود کر دیا تھا۔ محبوب حقیقی کی زبان سے ارشاد ہوا

یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰٓی اِبْرٰہِیْمَ۔ جس نے آگ میں جلانے کی خاصیت دی ہے آگ کو ٹھنڈک اور آرام بنجانے کا حکم دیا پھر اس میں دیر کیا ہوسکتی تھی۔ اور اگر انسانوں کی میٹھی بول دل موہ لیتی ہے اور مردوں کے لئے مسیحا بن جاتی ہے اور سنگدل کو موم دل بنا دیتی ہے تو تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتا اور تم کو کیا ہوگیا ہے کہ شاہد حقیقی، اور مطلوب مطلق، کی صدائے سرمدی نے آگ کو گل وگلزار نہ بنا دیا ہوگا۔ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ۔ بہرحال وَاَرَادُوْا بِہٖ کَیْدًا فَجَعَلْنٰھُمُ الْاَخْسَرِیْنَ۔ کافروں نے ابراہیم کا برا چاہا لیکن ہم نے انہیں کو نقصان میں ڈالا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدائے واحد کی طرف سے تن تنہا اپنی پوری قوم کا خوب مقابلہ کیا اور طرح طرح سے ان کو لاجواب کیا۔ یہاں تک کہ حکمران وقت کو بھی نیچا دکھایا فَبُہِتَ الَّذِیْ کَفَرَ۔ کافر مبہوت ہو ہو گئے۔ اور آپ کے پیغمبرانہ مناظرہ کی تاب نہ لا سکے مگر ایمان نہ لائے۔

ہجرت ابراہیمی یہ سنت الٰہی ہے کہ جب عشق ومحبت کا درس لینے والا کوئی نہ ہو اور کسی قوم وملک کے لوگ اپنے کان ادھر سے بند کرلیں تو حدیث عشق بیان کرنے کے لئے ہجرت اختیار کی جاتی ہے حضرت ابراہیم بھی سب کو چھوڑ سکتے تھے لیکن خدا اور اس کی محبت کے راگ کو نہیں چھوڑ سکتے تھے خویش واقربا جو مذہب عشق کی رو سے خویش واقربا باقی نہیں رہے تھے وطن جو عشق کی سرگرانی میں لاشئے محض ہے ان سب سے منہ موڑ کر حجاز کی سرزمین میں پہنچے کیونکہ یہیں اس یادگار کو قائم ہونا تھا۔ جو دنیا کے لئے قبلہ کا رتبہ رکھتی تھی اور جہاں ہر سال تمام دنیا کے لوگ آکر اپنا نام محبت کرنے والوں کے دفتر میں لکھواتے اور جہاں کے

نذاعشق ارکانِ ایمان وعبادت قرار پاتے۔ اس کا نام حج قرار پایا ۔ وجس طرح آگ ہر چیز کو جلا کر پاک کر دیتی ہے اس کی ادائیگی بھی حاجی کو گناہوں سے پاک کر دیتی ہے ایسی قربانی کا سبق دیا جاتا کہ جس سے بڑی قربانی کوئی اور نہیں ہو سکتی اور جو قیامت تک کے لئے یادگار قرار پائی۔ پڑھو محبت کی عمارت تعمیر کرتے وقت جو عشق کے معماروں کی زبان سے ادا ہوا واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسمٰعیل ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم۔ ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیٰتك و یعلمھم الکتاب والحکمہ وہ رسول کیا ہے اسی ملت ابراہیم کا کامل درس دینے والے اور وہ کتاب (قرآن) کیا ہے محبت الٰہی کا سبق دینے والی۔ اور پھر پڑھو اس بڑی قربانی کے بارے میں قال یا بنی انی اریٰی فی المنام انی اذبحك فانظر ماذا تریٰ۔ اور بیٹے کا جواب بھی سنو اور اسی طرح کے باپ بنو اور اسی طرح کے بیٹے پیدا کرو۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے فرمایا یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی انشاء اللہ من الصٰبرین۔ ادھر سے حکم تھا اسلم ادھر سے جواب دیا جا چکا تھا۔ اسلمت برب العالمین پھر فلما اسلما وتلہ للجبین تک آکر عشق و محبت کی آزمائش ختم ہو گئی۔

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد

خلتِ محبوبیت

(حضرت مولانا صوفی شاہ عبدالقادر صاحب شمس آبادی)

قرآن مجید میں ہے۔ واتخذوا من مقام ابراهيم مصلّى (مقام ابراہیم کو مصلّے بنا لینے سے مقصود یہ ہے من تواضع لله يرفعه الله جس نے خود کو گرایا اُسکو خدا نے اٹھایا جیسا کہ واذ يرفع ابراهيم القواعد من البيت واسمٰعيل ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم سے ثابت ہے اور زین تعمیر اور حقیقی ہے کیونکہ دعا بغیر تذلل کے قالب بے روح سے کم نہیں، گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تذلل و افتقار کی سیڑھی لگا دی جس سے مقام رفیع تک عروج ہو کر تقرب الٰہی حاصل ہوگیا۔ خلت ابراہیمی نے عبدیت کے مدارج طے کرا دئے اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے زینۂ عبودیت سے مقام بلند الوہیت پر اپنے متبعین کو پہونچا دیا اور بنیاد ظاہری خاکی کے ساتھ زینہ ترقی باطن بھی قائم ہو گیا تھا جس کے ذریعہ سے انہیں خلت کا مقام حاصل ہوا۔

مقام ابراہیم سے مقصود مقام خلت ہے کیونکہ آپ کا لقب مقدس خلیل ہے اور خلیل اسم صفت مشبہ ہے جو خلال سے مشتق ہے اور خلال لغتاً ایک چیز کا ایک چیز کے اندر ایسا داخل کرنا ہے کہ ایک دوسرے سے باہمی خلط ملط پیدا ہو جائے جیسے گیہوں کے دانوں کو چاول کے دانوں کے ساتھ ملا دیا جائے۔ اسی لئے وضو کے اندر انگلیوں کو پانی سے تر کر کے داڑھی کے اندر داخل کرنا خلال ہے کیونکہ انگلیاں اور داڑھی دونوں باہم خلط ملط ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح مقام خلت اس مقام کا نام ہے جہاں صفات عبودیت صفات الوہیت سے باہم خلط ملط پیدا کر لیتی ہیں۔ یہی وہ مقام رفیع ہے جو

محبوبیت کا آخری اور منتہائی زینہ ہے۔ اب اس کے اوپر مقام محبوبیت ہی ہے پس خلعت اور محبوبیت کے درمیان میں کوئی شئے واسطہ ہے نہ زینہ۔

حضرت خلیل علیہ السلام جد امجد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں عروس اجتباو اصطفا زینہ بزینہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت خلیل علیہ السلام تک منتہائے زینہ مقام محبوبیت تک پہونچ آئی اور قامت محمدی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم میں محبوبیت کی مقدس خلعت پہنائی گئی۔

انبیا علیہم السلام نے درجہ بدرجہ تزکیہ اور تصفیہ روح کا کام کیا یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ماسوی اللہ سے اس طرح تعلقات منقطع کئے اور روح کا تجرد حاصل کیا کہ دریائے فنا میں جملہ تعلقات ماسوے کو غرق کر دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس مصفا روح کو صفات اللہ سے ملاکر مقام خلت کو قائم فرمادیا اور اس کے بعد محبوبیت کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اور اگر کچھ تھا تو اسی کا نام حب ہے جس کو صوفیائے کرام ذات سے تعبیر فرماتے ہیں۔

حواس خمسہ کے مقابل میں پانچ سیڑھیاں قائم ہوئیں آخری سیڑھی نزولاً صفوت کی ہے اور عروجاً تا مرتبہ ذات محبت زینہ محبوبیت کو سمجھنا چاہئے اور محبوبیت کے اوپر پھر نہ کوئی مقام ہے نہ نشان اور نہ نام۔

جس طرح غیر مغشوش کپڑا جس رنگ میں غوطہ دیا جاتا ہے وہی رنگ قبول کر لیتا ہے۔ اسی طرح تم کو بھی چاہئے کہ مقام ابراہیم سے استفادہ کر کے تجرد روح حاصل کرلو یہاں تک کہ انوار محبوبیت میں مستغرق ہوجاؤ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل ہیں لیکن حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب ہیں محبوب حقیقی ذات محمدی کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ لہذا آپ محبوب بالذات ہیں اور اگر دوسرا کوئی محبوب ہے بھی تو محبوب بالعرض ہے۔

جیسے سفید کپڑا بالذات سفید ہے لیکن جب کسی رنگ میں رنگا جاتا ہے تو اس رنگ کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور پھر اسی رنگ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جیسے سیدنا حضرت محی الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے شریعت محمدی کی اتباع سے محلّے مصطفےٰ اور مرکئے مجرد ہو کر محبوبیت کے رنگ سے رنگین ہو گئے اور پھر آپ محبوب سبحانی کے نام سے موسوم ہوئے۔ اس محبوبیت کو محبوبیت بالعرض سمجھنا چاہیے یعنی محبوبیت ذاتیہ محمدیہ صلعم نے آپ کو اپنے رنگ میں رنگ دیا اسی طرح واتخذوا من مقام ابراھیم سے امت محمدیہ صلعم کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ فنا فی الرسول یعنی درجہ محبوبیت جس اتباع ملت ابراہیم جس کا دوسرا نام شریعت محمدی بھی ہے حاصل کرو۔ وَاٰخِرُ دعونا ان الحمد للہِ رب العالمین ۔

حسن لازوال

افریقہ کے گورنر گریگری نے مسلمانوں کے مقابلہ میں جو جنگ کی اس میں فانی و لازوال حسن کی ایک داستان بھی ہے۔ گریگری کے جواب میں مسلمان جنرل نے بھی اعلان کر دیا تھا کہ جس مجاہد کی تلوار گریگری کا سر کاٹے گی اس کو گورنر افریقہ کی حسین و جمیل لڑکی اور دو ہزار درہم بطور انعام دئے جائیں گے حسن اتفاق کہ یہ قرعہ حضرت زبیرؓ کے نام سے نکلا مگر اس موقع پر جو کچھ آپ نے فرمایا وہ اہل دل کے سننے کے لائق ہے۔

"میری تلوار کا معاوضہ دنیا کا حسن و خوبصورتی نہیں ہے بلکہ اللہ کی رضا اور محبت ہے، میری تلوار اسلام کی خدمت کے لئے مخصوص ہے اس کا معاوضہ آنی اور فانی خوبصورتی نہیں بلکہ وہ لازوال دولت ہے جس کو کبھی فنا نہیں اور جو اس خوبصورتی کے مقابلہ میں کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ اگر میری تلوار کا معاوضہ خوبصورت لڑکی ہی ہو سکتی ہے تو اس سے بڑھ کر میری تلوار کی کوئی توہین نہیں ہو سکتی"۔ (اقتباس)

محبوبِ حقیقی کی تلاش

ایک سعید الفطرت ہندو نوجوان آغوشِ اسلام میں

پنڈت لکشمن سروپ روڑی ضلع حصار

ایک مدت سے میرے حسرت خانہ دل میں یہ خیال ایک غم پرور ساس کی طرح ابسا ہوا تھا۔ کہ میری زندگی کچھ بے کیف اور افسردہ سی ہے گویا لوازمِ حیات میں کسی شئے کی کمی رہ گئی ہو بعض اوقات تو میں اس کمی کو اس شدت سے محسوس کرتا کہ مجھے اپنے دل کی دنیا تیرہ و تار معلوم ہونے لگتی تھی اس وقت میں چاہتا تھا کہ کوئی شعلہ روز گار ہستی میرے افقِ دل پر ایک آفتاب درخشاں کی طرح جلوہ گر ہو جس کے جمال شعلہ بداماں کی تجلیوں سے میرے دل کی دنیا کا ذرہ ذرہ تبسم زار بن جائے جس کی یاد میں ڈوب کر میں دنیا کے غم و الم کو فراموش کر دوں جس کی سحر کار ہستی میں میرے لئے ہزاروں سامان کشش موجود ہوں جس کے آتشیں رخساروں میں صدہا موسم بہار کے صبحوں کی درخشانیاں رقصاں ہوں جس کے تبسم ناز سے ابدی محبت کے سرچشمے بہتے ہوں جس کی گلپاش نگاہوں سے خزاں ستان دل میں بہارستان کی رنگینیاں کھیلنے لگتی ہوں جس کے وفا پرست دل کی تلاشی لینے پر بھی میری محبت کی پرستاری کے جذبات کے سوا اور کچھ نہ نکلے جس کے لئے لٹ جانا جس کی دولت ہو اور میرے لئے مرنا جس کی زندگی ہو۔

نہ معلوم میں نے کتنے دن وہ دن جو فخر روزگار تھے اور کتنی راتیں وہ راتیں جو گردش لیل و نہار میں ایک ممتاز پایہ رکھتی تھیں اسی ایک دھن میں صرف کر دیں مگر آہ میری تمنائیں عروس کامرانی سے ہمکنار نہ ہوئیں! میرا سازِ حیات تشنۂ مضراب

ہی رہا۔ میری نگاہیں بار بار انھیں اگر وہ جلوہ جس کے لئے تمنا میں بیتاب تھیں کہیں نہ ملا۔ میرے بازو میری اپنی ہی گردن میں حمائل ہو کر رہ گئے۔ ایسی کوئی پیکر نازستی زینت آغوش نہ ہوئی جس کے کیف وصال کے فردوس آفریں چھینٹے میرے تشنہ کام محبت دل کے لئے پیام ساغر و پیمانہ بن سکتے!

طائر وقت اپنے تیز رفتار پروں سے اڑتا رہا سورج طلوع ہوتا اور غروب ہوتا رہا۔ چاندنی چمکتی اور پھیلتی رہی، بہاریں آتی اور جاتی رہیں مگر دل کو کبھی چین نصیب نہ ہوا۔ میری بے تابیوں میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی آخر زمانہ کی ایک مستانہ کروٹ کے ساتھ رات بدل گئی۔ خزاں کی جگہ بہار آگئی۔ صحراؤں کی جگہ چمن آباد ہو گئے تمناؤں کی اجڑی ہوئی محفل میں شمع امید روشن ہوگئی۔ میری زندگی کا ایک ورق الٹا اور میں نے حسن و نور کا وہ پیکر مجسم دیکھا جس کا مجھے ایک مدت سے پوری مقنویت سے انتظار تھا۔ اس ساقی وحدت کے جنون فروش نگاہوں نے بھی مجھے دعوت مدہوشی دی اور میں نے اس کے عشق کا جام آتشیں پی لیا وہ جام آتشیں جو افسردہ دلوں میں حیات نو کا شعلہ پھونک دیتا ہے جو جوانی کو برقرار رکھتا ہے۔ ادراک کی خامی کو دور کرتا ہے۔ دماغ کو بلند پرواز بناتا ہے۔ آئینہ دل پر جلا کا کام کرتا ہے اور انسان کی روح کو خواب غفلت سے بیدار کر دیتا ہے!

جس خوش نصیب کی قسمت میں اس عشق کا جام آتشیں پینا لکھا ہے وہ فنا کا جام نہیں پیتا!۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

خدائے واحد کے پرستار کی دعا

(آقائے مرتضیٰ احمد خان میکش)

خدائے واحد سوائے تیرے کسی کے آگے نہ سر جھکاؤں
تجھی سے اپنی مراد مانگوں تجھی کو میں حالِ دل سناؤں

فضائیں معمور تیرے دم سے ہو عالمِ حق و راستی کی
وہ زورِ بازو مجھے عطا کر کہ قصرِ باطل کے سب گراؤں

نظامِ عالم بگڑ چکا ہے سپہرِ چرخِ کہن کے نیچے
تری نوازش جو دے اجازت تو اپنی دنیا نئی بساؤں

تڑپ رہا ہوں میں تشنگی سے جہانِ بے مہر و کینہ خو میں
پلا مجھے بادۂ محبت کہ دل سے نقشِ دوئی مٹاؤں

مجاز و باطل کے بت کدوں کو جلا دوں سوزِ فغانِ دل سے
صدائے پردرد سے جہانِ عمل کو میں خواب سے جگاؤں

کلام پاک کی حلاوت

جلیل القدر نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل مدظلہ

مرحبا تحریکِ قرآنی کے بانی مرحبا
مرحبا اے کاشفِ سرِ نہانی مرحبا

تشنہ کاموں کو کیا سیرابِ توحید آپ نے
ساقیِ جامِ حیاتِ جاودانی مرحبا

موجبِ فضل و عطا تحریکِ قرآنی ہے آج
آسماں سے بارشِ فیضانِ رحمانی ہے آج

تیرگی کو دور کیا اس دورِ روشن میں جلیل
ضوفشاں گھر گھر چراغِ نورِ یزدانی ہے آج

دو جہاں کی برکتیں تعلیمِ قرآنی میں ہیں
دو جہاں کی عظمتیں ارشادِ ربانی میں ہیں

دین و دنیا کی سعادت جس کو لینی ہو وہ آئے
دو جہاں کی نعمتیں آیاتِ قرآنی میں ہیں

عقلِ بقراط و فلاطوں گم ہے اک اک حرف میں
ہو سمائی کس طرح وسعت کہاں ہے ظرف میں

پا گئے ہیں جو حلاوت اس کلامِ پاک کی
پی رہے ہیں جامِ وحدت وہ لگا کر برف میں

ترجمان القرآن کا نیا انتظام

الحمد للہ ترجمان القرآن کی نصف اول ششماہی ختم ہوئی اگر خدا کو منظور ہے تو آیندہ ماہ سے اس کا انتظام مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سابق اڈیٹر الجمعیۃ کو سپرد کیا جائے گا جس میں قرآنی مقاصد کے لیے بہترین مضامین فراہم ہوں گے ساتھ ہی سائز بھی بدلا جائیگا۔ رائل سائز کے ۶۴ صفحات پیش کئے جائیں گے ٹائٹل اور کاغذ بھی اعلیٰ ہوگا اور کتابت طباعت میں بھی مزید ترقی ہوگی۔ اس سلسلہ میں ناظرین کرام پر بھی جو فرض عاید ہوتا ہے اس کے کہنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ جو بات خود اپنی طرف سے ہوتی ہے اس کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آمین۔

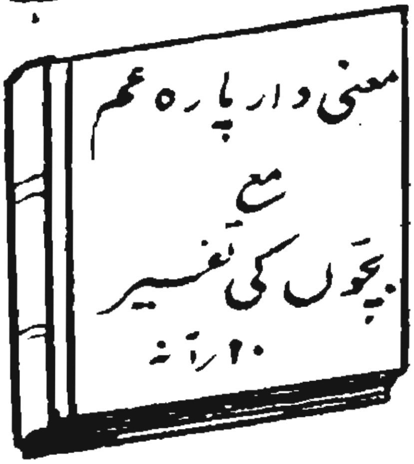
فقیر ابو محمد مصلح

خـــالی صفحـــه

بسم اللہ الرحمن الرحیم

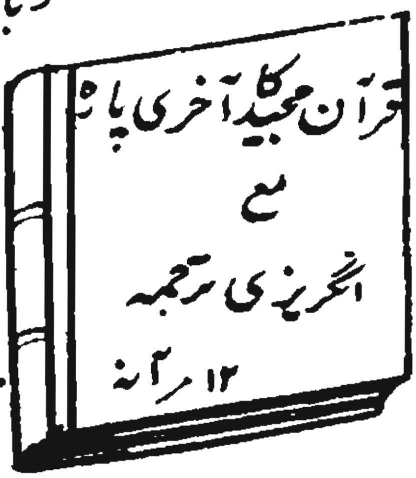


مسلمانوں کی آیندہ نسل و قرآن مجید کا مسئلہ نہایت اہم ہے
جس کو الحمد للہ عالمگیر تحریک قرآن نے مشہور قرآن مجید
کی مجلدات کو شائع کرکے ایک حد تک بنی حصہ کا کام پورا کر دیا
ہے اب آپکا فرض ہے کہ اس کی خصوصیات کو معلوم کریں ہر ممکن طریقہ سے
اس کو رواج دینے کی کوشش فرمائیں۔



آپ اور آپکی اولاد کو ان مجلدات کی کیوں ضرورت ہے

ا۔ اسکی تعلیم تلاوت کے ترجمہ تفسیر کے علاوہ لفظ بلفظ عربی
معنے بھی یاد ہو جاتے ہیں اور ایک وقت آتا ہے کہ عربی
زبان سے واقف ہو کر پڑھنے والا دیگر تراجم سے مستغنی ہو جاتا ہے۔



۲۔ ساڑھے تیرہ سو برس کے اندر یہ پہلی چیز ہے جو خاص کر
بچوں کی بساط کا خیال کرکے طیار کی گئی ہے۔
۳۔ اس ترجمہ و تفسیر کی اشاعت تجارتی نہیں بلکہ
تبلیغی اصول پر کی گئی ہے یہی سبب ہے کہ اس کا ہدیہ
ترجمہ و تفسیر سے بہت ہی کم ہے

ملنے کا پتہ

(علاوہ دیگر کتب فروشوں کے)

ابو محمد مصلح۔ دفتر عالمگیر تحریک قرآن حیدرآباد دکن

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس